POSTED ON 5 January 2009 AT DELHI R.M.S. LICENCE NO. U (D.N.) 41/2006-08 TO POST WITHOUT PRE PAYMENT PAGES-8.
قیمت=/Rs.5

فقہ الحدیث

(اردو) مکمل دو جلدیں — صفحات: 1568 ☆ قیمت/=Rs.700

☆تالیف: علامہ محمد بن علی الشوکانی ☆تحقیق احادیث: علامہ ناصر الدین البانی
☆شارح: حافظ عمران ایوب لاہوری ☆تقدیم: ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری

اسلامی طرز زندگی کے رہنما شرعی احکام ومسائل کا انسائیکلوپیڈیا، فقہی ابواب پر مشتمل یہ کتاب شرعی معلومات کا موسوعہ ہے۔ ائمہ اربعہ کے مسالک کی وضاحت کے ساتھ دیگر فقہاء اسلام ومحدثین کے نقطہ نظر کا تذکرہ، علامہ انور شاہ کشمیری، نواب صدیق حسن خاں، صاحب تحفۃ الاحوذی اور علامہ البانی وعلامہ ابن باز کی فقہی بصیرت سے بھی استفادہ، اور راجح مسئلہ کی وضاحت بھی۔ طلبا اور لائبریری کے لئے بیش قیمت تحفہ

مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن یوپی
Maktaba Al-Faheem
1st Floor Raihan Market Dhobia Imli Road
Sadar Chowk Maunath Bhanjan (U.P.) 275101
Ph: 0547-2222013 (S) 2520197 (R) Mob: 9889123129/9236761926

"اس شخص سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔" (قرآن)

سہ روزہ دعوت نئی دہلی

اقراء دینیات

چھوٹے بچوں کو
ابتدائی دینی معلومات فراہم
کرنے کے لئے
ایک دلچسپ اور معیاری کتاب
آج ہی حاصل کریں

ناشر البدر بک سینٹر
مہاجنی ٹولہ، سرائے میر، اعظم گڑھ، یوپی 9839591434

● جلد: ۵۷ ● شمارہ: ۳ ● ۷ر جنوری ۲۰۰۹ء ● 7 Jan. 2009 ● بدھ ● ۹ر محرم الحرام ۱۴۳۰ھ ● قیمت=/Rs.5 ● سعودی عرب اور دیگر خلیجی ملکوں کیلئے ۲ر ریال ● Posting: 5Jan. 2009 Monday

جنگ بندی نہیں مسئلہ فلسطین حل ہونا چاہئے

غزہ میں اسرائیل کی تازہ جارحیت نے ایک بار پھر مشرق وسطی میں قیام امن کی کوششوں پر سوالیہ نشان لگا دیا ہے۔ بین الاقوامی برادری کی طرف سے جنگ بندی کی اپیل کو جس طرح اسرائیل نے مسترد کرکے چارسو سے زیادہ فلسطینیوں کو ہلاک اور سیکڑوں کو زخمی کردیا۔ اس سے طویل عرصے تک امن کے امکانات موہوم ہوگئے ہیں۔ فی الحال دنیا کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ غزہ میں اسرائیل کی فوجی کارروائی کو بند کرانا ہے اور خطے میں جنگ بندی کو نافذ کرانا ہے۔ جس کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی ہے کیونکہ دونوں فریق نہ صرف ایک دوسرے پر الزام تراشی کر رہے ہیں بلکہ شرطیں بھی تھوپ رہے ہیں۔ اسرائیلی وزیراعظم ایہود اولمرٹ اور ان کی پشت پر کھڑے امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کا کہنا ہے کہ غزہ میں جاری اسرائیلی حملوں کو روکنے اور پھر سے جنگ بندی نافذ کرنے کے لئے پہلے حماس کو اسرائیلی حدود میں راکٹ حملے بند کرنے ہوں گے۔ دوسری طرف حماس کے رہنما اور غزہ حکومت کے وزیراعظم اسماعیل ہنیہ کا کہنا ہے کہ کسی بھی امن معاہدے یا جنگ بندی پر بات چیت سے قبل لازمی طور پر اسرائیل کو غزہ پر غیر مشروط حملے بند کرنے ہوں گے اور اس کی ناکہ بندی ختم کرکے تمام راستوں کو کھولنا ہوگا۔

غزہ میں اس وقت اسرائیل اور حماس کے درمیان جو لڑائی چل رہی ہے۔ اس کی وجہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ کبھی بھی خطے کے پیچیدہ مسائل کا حل تلاش نہیں کیا گیا بلکہ جنگ بندی کی صورت میں عارضی حل کے ذریعے خون خرابہ کو بند کرنے کی کوشش کی گئی اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جیسے ہی جنگ بندی کی مدت ختم ہوتی ہے فوراً ہی حماس اور اسرائیلی حکومت ایک دوسرے پر حملے شروع کردیتی ہیں۔ اسرائیل کی طرف سے تازہ جارحیت اور حماس کی طرف سے راکٹ حملے بھی جنگ بندی کی مدت ختم ہوتے ہی شروع ہوگئے۔ ۱۹ر دسمبر ۲۰۰۸ء کو جنگ بندی کی مدت جیسے ہی ختم ہوئی دونوں طرف سے حملوں کی باتیں شروع ہوگئیں اور اسرائیل نے ۲۷ر دسمبر کو اپنی جارحیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جنگ کا اعلان کردیا۔ اس وقت بھی جبکہ چارسو سے زیادہ فلسطینی اسرائیلی حملوں میں ہلاک ہوچکے ہیں، بنیادی مسئلہ کے حل کے بجائے اسی جنگ بندی کی باتیں کی جارہی ہیں جس کی ناکامی ماضی میں کئی بار ثابت ہوچکی ہے۔

جب بھی خطے کی صورتحال دھماکہ خیز ہوتی ہے اور لڑائی ہوتی ہے تو اس کے لئے حماس ہی کو ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے اور اسرائیل کے حق دفاع کی بات کی جاتی ہے۔ اس بار بھی کچھ اسی طرح کی صورتحال دیکھنے کو مل رہی ہے۔ لڑائی کا آغاز اسرائیل نے کیا اور وہی فلسطینیوں کو مار رہا ہے لیکن امریکہ اور برطانیہ حتی کہ مغربی ملکوں کی حمایت یافتہ بعض عرب ممالک بھی اس کے لئے حماس ہی کو ذمہ دار ٹھہرا رہے ہیں اور اسے حملے بند کرنے کو کہہ رہے ہیں۔ امریکہ، برطانیہ اور اقوام متحدہ وغیرہ تو اسرائیل کے حق دفاع کی بات بھی کر رہے ہیں۔ غزہ میں اسرائیل کے ذریعے قتل عام کی مذمت سے یہ طاقتیں گریز کررہی ہیں اور اپنے آپ کو جنگ بندی کی باتوں تک محدود کررہی ہیں اور اسی کو مسئلہ کا حل قرار دے رہی ہیں۔ خطے میں دو اصطلاح عام طور پر چلتی ہیں ایک تو حق دفاع جس کی بات اسرائیل کرتا ہے اور اس کی آڑ میں فلسطینیوں پر جارحیت کا مظاہرہ کرتا رہتا ہے۔ اسے بین الاقوامی برادری نے بھی تسلیم کر رکھا ہے۔ امریکہ تو خاص طور سے اس کا حامی ہے۔ دوسری اصطلاح حق مزاحمت کی ہے جسے حماس اور فلسطینی استعمال کرتے ہیں جو ان کا جائز حق ہے لیکن بین الاقوامی برادری نے کبھی اس حق کو تسلیم نہیں کیا وہ تو اسے دہشت گردی سے تعبیر کرتے ہیں۔ جب بین الاقوامی برادری کا اصول یہ ہے کہ غاصب اور ناجائز وجود اسرائیل کو دفاع کا حق حاصل ہونا چاہئے اور جس کا غصب کرلیا گیا ہو اسے مزاحمت کا بھی حق حاصل نہیں ہونا چاہئے تو اس سے انصاف یا خطے کے مسائل کے منصفانہ حل کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نصف صدی میں بھی خطے کے مسائل حل نہیں ہوسکے جب بھی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اسرائیلی مفادات کو ترجیح دی جاتی ہے۔ مقصد مسئلہ کو حل کرنا نہیں ہوتا بلکہ اسرائیلی مفادات کو تحفظ فراہم کرنا ہوتا ہے، فلسطینیوں کے پورے بھی نہیں آدھے ادھورے حقوق کو ثانوی حیثیت دی جاتی ہے۔ اسرائیل دہائیوں سے حماس کو سبق سکھا رہی ہے۔ اس کے کئی سرکردہ لیڈروں حتی کہ بانی کو قتل کرچکی ہے، اس بار بھی وہ سبق سکھانے کی بات کررہی ہے لیکن دیکھا یہ گیا ہے کہ اسرائیل کبھی بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوا۔ اس نے جب بھی حماس کے خلاف کارروائی کی اسے اور بھی عوامی مقبولیت حاصل ہوئی۔ یہ معمولی بات نہیں کہ جس حماس کو اسرائیل اور امریکہ معمولی طاقت سمجھتے تھے، فلسطین کے پارلیمانی اور بلدیاتی انتخابات کے نتائج نے ظاہر کردیا کہ عوام میں حماس کو کتنی مقبولیت حاصل ہے۔ انھوں نے جمہوری طریقے سے منتخب حماس کی حکومت کو غیر قانونی طریقے سے ختم تو کرا دیا لیکن جب وہی حکومت غزہ پٹی میں بنی تو دنیا نے دیکھ لیا کہ حماس عوام کے دلوں سے نہیں نکلی ہے۔ غزہ کی ناکہ بندی بھی حماس حکومت کی مقبولیت ختم کرنے میں ناکام رہی جو اس وقت حماس اور اسرائیل کے درمیان لڑائی کا اصل سبب بنی ہوئی ہے۔ جس جنگ بندی کی بات اس وقت بین الاقوامی برادری کررہی ہے ان کے پاس حماس کے اس سوال کا کوئی جواب نہیں رہتا کہ غزہ کی ناکہ بندی اور جنگ بندی ایک ساتھ کس طرح چل سکتی ہیں۔ جب عوام کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا تو وہ فطری طور پر اسرائیل پر ناراضگی کا اظہار کریں گے۔ ناکہ بندی کے خلاف فلسطینیوں کی طرف سے راکٹ حملے دراصل اظہار ناراضگی ہے جسے اسرائیل جنگ کا بہانہ بنا رہا ہے۔ گزشتہ ۴۱ برسوں سے فلسطینیوں کی سرزمین پر قابض اسرائیل اگر یہ سوچتا ہے کہ طاقت کے زور پر وہ فلسطینیوں کی مزاحمت کو بند کرنے میں کامیاب ہوجائے گا تو یہ اس کی خوش فہمی ہے۔ فلسطینیوں کی طویل تحریک آزادی اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ آخری دم تک اپنے حقوق کے لئے لڑتے رہیں گے اور ایک نہ ایک دن اسرائیل کو ہی جھکنا پڑے گا۔ بین الاقوامی برادری، اقوام متحدہ خصوصاً امریکہ کو اب یہ سوچنا چاہئے کہ وہ خطے میں جس قیام امن کی باتیں کرتے رہتے ہیں اور یکے بعد دیگرے معاہدے کے لئے کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ اس کے لئے بسا اوقات ٹائم ٹیبل بھی مقرر کردیتے ہیں جیسا کہ امریکی صدر جارج ڈبلیو بش نے امن معاہدے کے لئے ۲۰ر جنوری کو اپنی صدارت کی مدت ختم ہونے سے پہلے کا وقت مقرر کیا تھا اور اس کے بالکل برعکس اس وقت جنگ ہورہی ہے۔ ایسی کوششیں کبھی بھی کامیاب نہیں ہوسکتیں۔ کیونکہ کوشش کرنے والے خود ہی مخلص نہیں ہیں اور ان کی نیت صحیح نہیں ہے۔ (ص ن)

اوبامہ کی خاموشی پر ناراضگی

نیویارک۔ امریکہ میں رہائش پذیر عربوں نے غزہ پٹی پر اسرائیلی حملوں کے معاملہ میں تو منتخب صدر بارک اوبامہ کی خاموشی پر مایوسی اور ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔ ان کے مطابق اوبامہ کی یہ خاموشی اس بات کا اشارہ ہے کہ امریکہ کی اسرائیل حامی پالیسیوں میں کسی تبدیلی کا امکان کافی کم ہے۔ ٹیلی ویژن انٹرویو میں ان لوگوں نے کہا کہ وہ اوبامہ کی اس دلیل کو تسلیم نہیں کرسکتے کہ ایک وقت کوئی ایک ہی صدر ہوسکتا ہے۔ اگر صورتحال یہ ہوتی تو اوبامہ اقتصادی کساد بازاری اور ممبئی حملوں پر اپنے خیالات ظاہر نہیں کرتے۔

قصاب کے خط کی اصلیت پر شبہ

اسلام آباد۔ پاکستان کے داخلہ سکریٹری کمال شاہ نے ممبئی حملوں میں گرفتار اجمل عامر قصاب کے ذریعہ لکھے گئے خط کی اصلیت پر شبہ ظاہر کیا ہے جس میں پاکستان سے قانونی مدد مانگنے کی بات ہے۔ انہوں نے کہا کہ خط کی زبان اور اس کا موضوع ایک اصلی پاکستانی کی طرح نہیں ہے۔ ہندوستان نے ایک کہانی گڑھنے کی کوشش کی ہے جس میں وہ ناکام رہا ہے۔

اسرائیلی جارحیت وحشیانہ اقدام

بغداد۔ عراق کے صدر جلال طالبانی نے کہا ہے کہ غزہ پر اسرائیلی جارحیت وحشیانہ اقدام ہے جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ معصوم اور نہتے فلسطینیوں کا قتل عام روکنے کے لئے عالمی برادری کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ یہ قتل عام بین الاقوامی اور انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے۔

قصاب سے ملاقات کیلئے درخواست

کراچی۔ پاکستان کے سابق وفاقی وزیر اور انسانی حقوق کے بین الاقوامی ادارے انصار برنی ٹرسٹ کے سربراہ انصار برنی نے ممبئی حملے کے الزام میں قید اجمل عامر قصاب سے ملاقات کی اجازت کے لئے حکومت ہند کو باقاعدہ درخواست دی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ان حملوں میں پاکستان کے ملوث ہونے کے الزام کی تحقیق کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

دولت مشترکہ کی اپیل

ڈھاکہ۔ بنگلہ دیش کے عام انتخابات کو مانیٹر کرنے والے دولت مشترکہ کے مبصرین نے کہا ہے کہ انتخابات قابل اعتبار اور ووٹوں کی گنتی شفاف تھی۔ مبصرین نے سیاسی جماعتوں سے کہا کہ وہ نتائج کو قبول کرتے ہوئے مل کر کام کریں۔ ادھر انتخابات میں زبردست کامیابی حاصل کرنے والی عوامی لیگ کی سربراہ حسینہ واجد نے نتائج کو قبول نہ کرنے والی اپنی سیاسی حریف خالدہ ضیاء کو حکومت میں شمولیت کی دعوت دی ہے۔

مکہ مسجد دھماکہ: ۱۷ مسلمان بری

حیدرآباد۔ حیدرآباد کی ایک عدالت نے ثبوتوں کے فقدان کے باعث مکہ مسجد دھماکہ کیس میں تمام ۱۷ مسلم نوجوانوں کو باعزت بری کردیا۔ کیس میں کل ۶۴ نوجوان ماخوذ تھے جن میں سے ۱۷ پر مقدمہ چلایا گیا تھا۔ پولیس نے انہیں حراست میں ٹارچر بھی کیا تھا۔ پولیس کی طرف سے ۱۳ گواہ پیش کئے گئے لیکن ثبوتوں کے فقدان کے باعث الزام غلط ثابت ہوا۔ اس سے قبل عدالت نے اسی معاملہ میں چار ملزموں کو بے قصور قرار دے کر رہا کردیا تھا۔

۱۵۱۔ امریکی فوجی ہلاک

کابل۔ افغانستان میں ۲۰۰۸ء میں ۱۵۱۔ امریکی فوجی مارے گئے۔ ایک امریکی اخبار کے مطابق مئی سے اکتوبر تک چھ ماہ کے دوران ہر ماہ اوسطاً ۲۱ر امریکی فوجی مارے گئے۔

سخت قوانین میں اضافہ پر سوالات اٹھنے لگے

حکومت نے بڑھتے ہوئے تشدد کے واقعات کو روکنے کے لئے ایک مرکزی تفتیشی ایجنسی اور غیر قانونی سرگرمیوں کی روک تھام کے لئے انسداد غیر قانونی سرگرمیاں ترمیمی بل کی صورت میں جو قدم اٹھائے تھے اب اس نے باقاعدہ قانون کی شکل اختیار کرلی ہے اس لئے کہ صدر جمہوریہ نے پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں سے منظور شدہ دونوں بلوں پر دستخط کردیئے ہیں۔ ان دونوں قوانین کو فی الفور نافذ کردیا گیا ہے۔ لیکن اس کے دوسرے ہی دن آسام میں پانچ عدد بم دھماکے ہوئے جن کے لئے الفا کو ذمہ دار قرار دیا جارہا ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق الفا نے اس کی ذمہ داری بھی قبول کرلی ہے۔ لیکن ایک دوسری رپورٹ میں ممنوعہ دہشت گرد تنظیم حزب جہاد اسلامی کا نام بھی لیا جارہا ہے۔ اس کا تعلق بنگلہ دیش سے بتایا جاتا ہے۔ غور طلب امر یہ ہے کہ اس سے یعنی دھماکے سے ٹھیک دو دن قبل بنگلہ دیش کے عام انتخاب کے نتائج کا اعلان ہوا جس میں عوامی لیگ کو بھاری اکثریت سے کامیابی ملی ہے اور اس سے ٹھیک ایک دن پہلے صدر جمہوریہ ہند نے مذکورہ دونوں بلوں پر دستخط کئے تھے، ان بم دھماکوں سے چند ہی گھنٹے بعد مرکزی وزیر داخلہ گوہاٹی پہنچے یعنی ان کا ان بم دھماکوں سے وہاں استقبال کیا گیا، آسام کے وزیراعلیٰ ترون گوگوئی نے اپنے پہلے ردعمل میں اس کا اعتراف کیا ہے کہ ناقص سیکورٹی نظام یا سیکورٹی کے انتظام میں خامیاں بھی اس طرح کے تکلیف دہ واقعات کا ایک سبب ہے، لیکن ایسا کہنا غلط ہوگا کہ پولیس فورس اس سے بالکل ہی غافل تھی اور اس نے لاپروائی کا ثبوت دیا، اگر ایسا ہوتا تو تباہی اور بھی زیادہ ہوتی، پولیس اور انٹلی جنس کی بروقت کارروائی سے نقصانات کو محدود رکھنے میں کامیابی ملی ہے۔

مذکورہ قانون سازی کے ذریعہ پہلے سے موجود سخت قوانین میں کچھ اور اضافہ ہوگیا ہے۔ اس لئے اس پر بحث ہورہی ہے کہ کیا ملک کو مزید سخت قوانین کی ضرورت ہے اور کیا تشدد کے بڑھتے ہوئے واقعات پر محض قوانین کے ذریعہ قابو پایا جاسکتا ہے یا اس کے لئے دوسرے ضروری قدم اٹھانے کی بھی ضرورت ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ پورے ملک میں ایک ایسی فضا قائم کردی گئی ہے کہ کسی کو نہ اس کا ہوش ہے کہ اس سوال پر سنجیدگی سے غور کرے نہ اتنی مہلت ہی ہے کہ اس کا جائزہ لیا جائے کہ جو قدم اٹھایا جارہا ہے وہ مفید بھی ہے یا نہیں بلکہ بسا اوقات اس قسم کا سوال کرنے والوں کو بھی مشکوک نگاہوں سے دیکھا جانے لگتا ہے، ملک سے اس کی وفاداری کے بارے میں بھی طرح طرح کے سوالات اٹھائے جانے لگتے ہیں، ایک ایسا جادو کردیا گیا ہے کہ ہر کوئی بس ایک ہی بولی بول رہا ہے کہ سخت قانون بناؤ پولیس فورس اور انٹلی جنس ایجنسیوں کو مزید اختیارات دو انہیں غیر موثر نہ بناؤ، پوٹا مکوکا ٹاڈا جیسے سخت قوانین پورے ملک میں نافذ کئے جائیں، ماحول ایسا بن گیا ہے کہ سخت قوانین کی معقولیت اور ان کے کارگر ہونے کے بارے میں جو لوگ بھی سوالات اٹھاتے ہیں ان کو دہشت گردی کو ہوا دینے اور دہشت گردوں کی حمایت کرنے والا خیال کیا جانے لگا ہے اور ان کا منہ بند کردیا جاتا ہے یا ان کی آواز کو کمزور کردیا جاتا ہے، حالانکہ ان سخت قوانین کے غلط استعمال کی بے شمار مثالیں موجود ہیں اور بارہا پیش بھی کی جاچکی ہیں اس کے باوجود اصرار ہے کہ سخت قوانین ہونے چاہئیں اور یہی تشدد کے بڑھتے ہوئے واقعات کی روک تھام کا واحد راستہ ہے۔ مرکزی حکومت نے ممبئی واقعات کے دباؤ میں آکر انتہائی عجلت میں یہ قدم اٹھایا ہے۔ اب یہ باتیں سامنے آنے لگی ہیں، یہ بھی کہا جارہا ہے کہ قانون سازی سے پہلے اس پر نہ صرف غور کیا جانا چاہئے تھا، بلکہ اس پر بحث ہونی چاہئے تھی، اس کا بھرپور جائزہ لیا جانا چاہئے تھا کہ آخر یہ واقعات کیوں ہورہے ہیں اور ان میں برابر اضافہ کیوں ہوتا چلا جارہا ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ باہری ایجنسیوں نے یہاں اپنا جال پھیلا لیا ہے تو آخر انہیں اتنی آسانی سے اس میں کامیابی کیسے مل جاتی ہے؟ وہ یہاں کے مقامی لوگوں کو اپنا ایجنٹ کیوں بنالیتے ہیں؟ یہ بھی غور کرنے کا مقام ہے کہ جو کچھ نظر آتا ہے واقعی اس کا حقیقت سے تعلق ہوتا ہے یا وہ فرضی کہانیاں ہوتی ہیں، پولیس کو اگر بے پناہ اختیارات دے دیئے جائیں تو فرد کی آزادی کا کیا بنے گا۔ اس سے حقوق انسانی کی جو خلاف ورزیاں ہوں گی ان کا کیا کیا جائے گا۔ دیکھنے کی بات یہ بھی ہے کہ کیا یہ محض ایک انتظامی مسئلہ ہے یا ایک سماجی بیماری ہے۔ انتظامی مسئلہ کو ظاہر ہے انتظامی سطح پر ہی حل کیا جاسکتا ہے لیکن سماجی مسائل کو اگر صرف انتظامی سطح پر حل کرنے کی کوشش کی گئی اور اس کی سماجی زاویے کو بالکل نظر انداز کردیا گیا تو کیا مسئلہ حل ہوجائے گا یا یہ مزید سنگین صورت اختیار کرلے گا، غور کرنے کی بات یہ بھی ہے کہ ملک میں جو تشدد پسند گروپ موجود ہیں ان کا خاتمہ کیوں نہیں ہورہا ہے وہ آخر کیوں پیدا ہورہے ہیں؟ یہ اور اس طرح کے بے شمار سوالات ہیں جن پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ (ش ر)

بلا تبصرہ

غزہ پر ایک ہفتے سے اسرائیلی ہوائی حملے جاری ہیں۔ ان ہوائی حملوں میں تقریباً تین سو کیا نوے فلسطینی جاں بحق ہوگئے ہیں۔ اسی طرح حماس کے زیر کنٹرول، غزہ کی جانب سے جوابی حملوں میں چار اسرائیلی ہلاک ہوئے ہیں۔ جس سے عوام خوف زدہ ہیں۔ مسائل کا حل مذاکرات کے ذریعہ ہی نکالا جانا چاہئے نہ کہ تشدد کے ذریعے۔
گنیش وی ہیگڑے، دھارواڑ
ایشین ایج، ۲ر جنوری ۲۰۰۹ء

خبر ونظر

واقعات کا سلسلہ

۲۶ر نومبر کی رات ممبئی کے چار مقامات سے تشدد اور خوں ریزی کی خبریں آنے لگیں، ۲۷ر نومبر کی صبح تک صورتحال واضح نہیں تھی کہ اس کے پیچھے کون ہے، ابتدا میں "دکن مجاہدین" کا نام لیا گیا، بعد میں ٹی وی چینلوں نے پاکستان کا نام لینا شروع کردیا۔ ۲۷ر نومبر کی شام وزیراعظم کے بیان سے بالکل واضح کردیا گیا کہ اس کے لئے پڑوسی ملک ذمہ دار ہے۔ پھر امریکہ آیا، اس نے بھی کہا یہ حملے پاکستان کی حمایت سے ہوئے ہیں۔ اسرائیل آیا، کہا "نریمن ہاؤس پر حملہ ان لوگوں کا کام ہے جو پوری دنیا میں ہمارے عقیدے کے دشمن ہیں۔" فوراً ہی برطانیہ آیا، کہا حملوں کے لئے پاکستان ذمہ دار ہے۔ پھر یکے بعد دیگرے کئی ملکوں نے یہی کہا، حکومت نے ان حملوں کے لئے پاکستان کو بالواسطہ یا بلاواسطہ ذمہ دار قرار دے کر اس پر زبردست دباؤ بنانا شروع کردیا، مطالبات شروع کردیے، پاکستان کے خلاف دیا جانے والا ہر بیان سخت سے سخت تر ہوتا چلا گیا۔ فوجی کارروائی کی بات تسلسل کے ساتھ کہی جانے لگی۔ عالمی رائے عامہ کا بہت بڑا حصہ پاکستان کے خلاف ہوگیا۔ حکومت ہند بہت خوش ہے کہ اس بار اس کی سفارت کاری سو فیصد کامیاب رہی، اب پاکستان کے خلاف کی جانے والی کسی بھی کارروائی کو عالمی رائے عامہ کی تائید حاصل ہوگی۔

مصیبت گلے پڑ گئی

گویا پاکستان اس وقت مصیبت میں ہے۔ اور یہ مصیبت اس نے اپنے ہاتھوں مول لی ہے۔ نہ ممبئی پر حملے کرواتا نہ اس کی یہ حالت ہوتی۔ وہ امریکہ جس کی وفاداری پاکستان چالیس سال تک کرتا رہا، آنکھیں دکھا رہا ہے۔ یہی نہیں کہ ممبئی پر حملے کرکے صرف پاکستان کی حکومت پھنس گئی ہو، خود پاکستان کا وجود خطرے میں پڑ گیا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ دین اسلام پر سوالات کھڑے کئے جارہے ہیں۔ اس لئے کہ جن گروپوں کی سرپرستی پاکستان کرتا ہے وہ اپنے آپ کو "اسلامی" کہتے ہیں۔ ان کی ہر حرکت کو اسلام کی بات سمجھا جاتا ہے۔ یعنی ممبئی پر حملے کے بعد دنیا بھر کے دشمنان اسلام کو بھی اسلام اور امت مسلمہ کے خلاف بولنے کے نئے مواقع مل گئے ہیں۔ اور اندرون ہند دیکھا جائے تو ممبئی پر حملوں کی سب سے بڑی مار ہندوستانی مسلمانوں پر پڑی ہے۔ مالیگاؤں کے تناظر میں ہندو دہشت گردی جس تیزی کے ساتھ بے نقاب ہورہی تھی، اس پر روک لگ چکی ہے۔ مسلمانوں اور ملک کے بہت سے انسانوں کو یقین ہو چلا تھا کہ اب پارلیمنٹ ہاؤس پر حملے سمیت اُن تمام واقعات کی حقیقت سامنے آجائے گی جو گزشتہ سات برسوں کے درمیان ملک میں پیش آئے ہیں جن کے لئے کہ نام نہاد مسلم گروپوں کو ذمہ دار قرار دے کر ہندوستانی مسلمانوں کا جینا دوبھر کیا جارہا تھا۔

سب سے اہم امر واقعہ

اور سب سے اہم امر واقعہ یہ ہے کہ ممبئی کے واقعات کے بعد امریکہ کی اُس مہم میں نئے سرے سے جان پڑ گئی جو اس نے "وار آن ٹیررزم" کے عنوان سے اسلام اور امت مسلمہ کے خلاف سات سال قبل شروع کی تھی اور جس کے لئے ۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعات کو بہانہ بنایا تھا۔ چونکہ امریکہ کا یہ سب سے بڑا جھوٹ دنیا کے سامنے آنے لگا تھا جب خود امریکی حلقوں کی طرف سے کہا جارہا تھا کہ پنٹاگون اور نیویارک پر حملے سی آئی اے اور موساد کا آپریشن تھا۔ اس سچ کے سامنے آنے کے بعد امریکہ کی اسلام مخالف مہم کمزور پڑنے لگی تھی مگر ممبئی کے واقعات سے اس مہم کو ایک بار پھر سہارا مل گیا۔ اس سے اسرائیل کے حوصلے بھی بڑھے اور اس نے فلسطینیوں کا قتل عام شروع کردیا —— غرض پاکستان اور اس کے "اسلامی" جنگجوؤں کی اس کارروائی کے بارے میں اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس سے کس کو فائدہ اور کس کو نقصان پہنچا تو ناقابل تردید جواب یہ ہوگا کہ فائدہ امریکہ، اسرائیل اور ہندوستان کے مسلم مخالف عناصر کو پہنچا اور نقصان امت مسلمہ، عالم اسلام بالخصوص پاکستان کو پہنچا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پاکستانیوں نے ایسا کیوں کیا؟ کیا انہیں اپنے آپریشن کے ان نتائج کا اندازہ نہیں تھا؟ یا پھر یہی نتائج انہیں مطلوب تھے؟ (پ ر)

کیا یہ خانہ جنگی کا خاتمہ ہے

سری لنکا کی حکومت نے دعویٰ کیا ہے کہ اس کی سرکاری فوج نے تمل باغیوں پر کاری ضرب لگائی ہے اور اس نے باغیوں کے صدر مقام کلی نوچی پر اپنا کنٹرول حاصل کرلیا ہے، ایل ٹی ٹی ای کو بھاری ہزیمت اٹھانی پڑی ہے، اطلاعات کے مطابق تمل باغیوں نے اس کا اعتراف کرلیا ہے کہ انہیں سری لنکا کی سرکاری فوج کے ہاتھوں زبردست نقصان اٹھانا پڑا ہے، بتایا جاتا ہے کہ سری لنکا کی سرکاری فوج کی یہ دوسری بڑی کامیابی ہے اور اسے سری لنکا کے صدر مہندر راج پکشیہ کی جارحانہ حکمت عملی کی کامیابی بھی قرار دیا جارہا ہے۔ واضح رہے کہ سری لنکا کی فوج اور تمل باغی پچھلے ۲۵ برسوں سے باہم متصادم ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ سرکاری فوج کے تین دستوں نے ٹینکوں بھاری توپوں اور بمبار طیاروں کے ساتھ تین محاذ پر حملہ کیا اور مسلسل جاری رکھا جس کے سبب اسے تمل باغیوں کی دفاعی لائن کو تہس نہس کرنے میں کامیابی ملی۔ سرکاری فوج اس کے بعد نہ صرف شہر میں فاتحانہ داخل ہوگئی بلکہ اس نے تمام اہم ٹھکانوں پر اپنا کنٹرول جمالیا۔ یاد رہے کہ تمل باغی پچھلے ۱۵ برسوں سے یہاں حکومت کررہے تھے، بتایا جاتا ہے کہ اس کارروائی میں سو سے زائد تمل باغی کام آئے ہیں۔ بعض اطلاعات میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ تمل باغیوں نے شہر چھوڑ دیا ہے وہ اسے خالی کرکے دوسری جگہ منتقل ہوگئے ہیں۔ انہی کی ایک ویب سائٹ میں اس کا بھی اعتراف کیا گیا ہے کہ ان کی طرف سے زبردست مزاحمت ہوئی تاہم کئی مہینوں کے خونی معرکے کے بعد سری لنکا کی سرکاری فوج کو آخرکار کامیابی مل ہی گئی اور اس نے یہ اہم شہر ان سے چھین لیا، مگر تمل باغیوں کا دعویٰ ہے کہ سرکاری فوج کو اس کی بھاری قیمت چکانی پڑی ہے اور اسے بھاری نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ دونوں طرف کا بھاری جانی نقصان ہوا ہے۔ پچھلے ۲۵ برسوں میں سری لنکا کی اہم سیاسی شخصیات کو اپنی جانوں کا نذرانہ تک پیش کرنا پڑا ہے سری لنکا کے صدر مہندر راج پکشیہ اس کو ایک تاریخی فتح قرار دے رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ گزشتہ ۲۵ برسوں سے سری لنکا کی حکومت جس کی تمنا کررہی تھی وہ اتنی بھاری قیمت ادا کرکے اسے حاصل ہوئی ہے اس لئے اس کی نظر میں اس کامیابی کی قدر وقیمت بھی اسی لحاظ سے ہے۔ انہوں نے کہا کہ جافنا شہر کو کھودینے کے بعد تمل باغیوں نے اس شہر کو اپنا صدر مقام بنالیا تھا اور یہیں سے ان کی غیر قانونی حکومت چل رہی تھی، انہوں نے سری لنکا کے باشندوں کو ٹیلی ویژن پر خطاب کرتے ہوئے اس تاریخی ختم پر جہاں مبارکباد دی وہیں انہوں نے تمل باغیوں سے ایک بار پھر خطاب کرتے ہوئے ان سے کہا کہ وہ ہتھیار ڈال دیں۔ اپنی باغیانہ سرگرمیوں کو بند کردیں اور امن وامان بحال کرنے میں حکومت کی مدد کریں۔ خود بھی چین اور سکون سے رہیں اور ملک کے دوسرے باشندوں کو بھی سکھ چین سے رہنے دیں، بتایا جاتا ہے کہ اس تاریخی فتح پر پورے ملک اور خاص طور پر راجدھانی کولمبو میں زبردست خوشی اور مسرت کا ماحول دیکھا گیا۔ لوگوں نے خوشی میں پٹاخے چھوڑے، لیکن اس تاریخی فتح کی خبر کے ساتھ ہی ساتھ یہ خبر بھی سنائی گئی کہ سری لنکائی ایئر فورس کے ہیڈ کوارٹرز کے باہر ایک خودکش بمبار نے بم دھماکہ کیا، شبہ ظاہر کیا جارہا ہے کہ خودکش بمبار کا ایل ٹی ٹی ای سے تعلق تھا۔ اطلاعات کے مطابق اس خودکش بم دھماکہ میں دو افراد ہلاک اور تقریباً دو درجن افراد زخمی ہوگئے۔ اس واقعہ کی اہمیت یہ ہے کہ یہ بم دھماکہ فضائیہ کے ہیڈکوارٹر کے بالکل قریب ہوا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ تمل باغیوں نے ابھی اپنی شکست قبول نہیں کی ہے اور وہ گھٹنے ٹیک دینے پر آمادہ نظر نہیں آتے ہیں۔ اسی بنا پر سیاسی تجزیہ نگاروں کو اس پر شبہ ہے کہ اسے سری لنکا میں خانہ جنگی کا خاتمہ سمجھا جائے، یہ بھی وثوق سے نہیں کیا جاسکتا کہ تمل باغیوں کی ہمتیں پست ہورہی ہیں اور اب وہ ٹوٹ چکے ہیں۔ ●●

الیکٹرانک میڈیا اور تعلیم

عبدالباری مومن، بھیونڈی

یہ مقالہ ابتدائی طور پر وی ڈبلیو سیزر V.W.Setzer کے ذریعے لکھا گیا تھا اور اسپینش زبان میں تھا۔ اسے ایک تعلیمی ورکشاپ کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ اس کے بعد مزید اضافے کے ساتھ اسے پرتگالی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ اور اس کے بعد انگریزی زبان میں مزید اضافے کے ساتھ پیش کیا گیا۔ اس مضمون میں خاص طور سے اس بات کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے کہ تعلیم پر ٹیلی ویژن، ویڈیو گیم اور کمپیوٹر کے استعمال کے کیا اثرات ہوتے ہیں۔ استفادہ عام کے لیے ذیل میں اس مقالے کا ترجمہ اور اس کی تلخیص پیش کی جا رہی ہے۔ اگرچہ تلخیص کے بعد بھی یہ کافی طویل ہے۔ لیکن اس کی افادیت کے لحاظ سے شاید یہ طوالت ضروری بھی ہے۔

ٹیلی ویژن

ٹیلی ویژن یعنی ٹی وی کی مشین عام طور پر کیتھوڈ رے ٹیوب CRT اسکرین یا ایل سی ڈی LCD اسکرین پر مشتمل ہوتی ہے۔

کتابوں وغیرہ کا مطالعہ کرنے کے عمل میں انسان کی اندرونی، ذہنی و دماغی صلاحیتیں پوری طرح بیدار رہتی ہیں۔

انسان اپنی قوت متخیلہ کا استعمال کر کے ضبط تحریر میں لائے گئے واقعات کی اپنے ذہن میں ان کی تصویر بناتا ہے۔ اس کے برعکس ٹی وی دیکھتے ہوئے انسان اپنی دماغی صلاحیتوں کو بالکل استعمال نہیں کرتا۔ کیونکہ تصویر خود ہزار الفاظ کا کام کرتی ہے۔ اس لیے دماغ کو زحمت اٹھانے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ اس کا وقت بھی نہیں ہوتا۔ یہ ممکن بھی نہیں ہے۔

دیکھنے والا ٹی وی کی تصویروں، آوازوں اور مختلف قسم کے اثرات میں اتنا کھو جاتا ہے کہ اسے اپنا ہی ہوش نہیں رہتا۔

ایل سی ڈی اسکرین آج بھی بہت مہنگا ہے۔ اس لئے زیادہ استعمال CRT اسکرین کے ٹی وی کا ہی ہوتا ہے۔ اس میں ایک Filament کو گرمی پہنچائی کی جاتی ہے۔ جس سے ایک برقیاتی بادل تشکیل پاتا ہے۔ بہت زیادہ طاقتور وولٹیج فلامنٹ اور اسکرین کے درمیان اس بادل کے الیکٹرون کو اسکرین کی طرف کھینچتی ہے۔ اور ان کے اسکرین سے ٹکرانے سے اسکرین کا فاسفر روشنی باہر پھینکتا ہے۔ رنگین ٹی وی میں تین رنگوں سرخ، سبز اور نیلے رنگ کے نقطوں سے رنگین عکس پیدا ہوتا ہے۔ اسکرین پر ایک سیکنڈ میں 30 عکس بنتے ہیں۔ یہ عکس تقریباً تین لاکھ نقطوں سے مل کر بنتا ہے۔ جبکہ ہماری آنکھ کا Retina پندرہ کروڑ سیل پر مشتمل ہوتا ہے، جو روشنی کے لیے حساس ہوتے ہیں۔ اس بناء پر اسکرین پر موجود کسی جسم کے عکس کو مکمل طور سے فوکس نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے زیادہ فوکس عام طور پر صرف چہرے وغیرہ کو ہی کیا جا سکتا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے درخت کی مثال دی جا سکتی ہے۔ اگر ہم اپنی آنکھوں سے کسی درخت کو کچھ فاصلے سے دیکھیں تو اس کی پتیاں تک صاف نظر آتی ہیں۔ لیکن ٹی وی میں اگر پورے درخت کو فوکس کیا جائے تو پتیوں کا عکس دھندلا جائے گا۔

ٹی وی کا اسکرین چھوٹا ہوتا ہے۔ اور اس کو دیکھتے وقت نظر اور سر کو حرکت دینے کا کافی موقع نہیں ہوتا۔ دیکھنے والا ساکن بیٹھا رہتا ہے۔ صرف بصارت اور سماعت کی قوتیں ہی کام کرتی ہیں۔ آنکھ کے عضلات حرکت نہیں کرتے۔ اگر اسکرین کو قریب جا کر دیکھیں تو عکس صاف ہونے کی بجائے اس کے نقطے زیادہ نمایاں ہو جاتے ہیں۔ جبکہ عام اشیاء کو نزدیک سے دیکھنے پر وہ اور صاف نظر آنے لگتی ہیں۔ دماغی طور پر ٹی وی دیکھتے وقت ہم سوچنے کا کام بالکل نہیں کرتے۔ نہ ہی دماغ سے کسی اور قسم کا کام لیتے ہیں۔ پتلیوں کا غیر متحرک ہونا اور دماغی صلاحیتوں کا خوابیدہ ہو جانا، یہ دو خطرناک چیزیں ہیں جن سے ہر ٹی وی دیکھنے والے کو گزرنا ہوتا ہے۔ اس سے انسان نیند جیسی کیفیت کا شکار ہو جاتا ہے۔ بلکہ نیم ہپنوٹائزڈ کیفیت اس پر طاری ہو جاتی ہے۔ مسلسل ٹی وی دیکھتے رہنے کے بعد مشکل سے آدھے منٹ میں یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس بناء پر دیکھنے والے کے دماغ پر ٹی وی کے پروگراموں کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ بچے بھی ٹی وی پر پیش کردہ واقعات سے گہرے طور سے متاثر ہوتے ہیں۔ نیم غنودگی کی یہ کیفیت ایک غیر انسانی کیفیت بلکہ حیوانی ہے۔ جب جانور نہ تو شکار کر رہے ہوں اور نہ ہی غذا کی تلاش میں ہوں اور نہ کسی خطرے کے احساس سے چوکنے ہوں تو ان پر بالکل ایسی ہی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ٹی وی کے پروگرام بنانے والے اس کیفیت سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ اپنے پروگراموں میں مسلسل متحرک عکس پیش کرتے ہیں۔ اگر کچھ دیر کے لیے عکس منجمد کر دیا جائے تو دیکھنے والے کو نیند آسکتی ہے۔ اوسطاً ہر منٹ میں آٹھ تا دس مرتبہ عکس تبدیل کیے جاتے ہیں۔ اس کے لیے مختلف ٹیکنیکل طریقے استعمال کیے جاتے ہیں۔ جیسے زوم کرنا، کیمرہ بدلنا۔ ایک کے اوپر دوسرا عکس ڈالنا، اسکرین پر تصویروں کے ساتھ ساتھ الفاظ ڈالنا، آوازوں میں تبدیلی کرنا وغیرہ۔ ان ٹیکنیکل طریقوں کی تبدیلی کی رفتار میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ اس طرح ٹی وی پر پیش کی جانے والی ہر چیز دراصل شو ہو جاتی ہے۔ اس کا اثر یہ ہے کہ دیکھنے والا ہر چیز کو شو سمجھنے لگتا ہے۔ چاہے وہ اس کی زندگی ہو، مذہب ہو، تعلیم ہو کچھ بھی ہو۔ ٹی وی پر پیش کیے جانے والے اس شو کے لوگ اس طرح گرویدہ ہو جاتے ہیں کہ وہ دیگر سماجی تقریبات کو بور سمجھنے لگتے ہیں۔ اس کے برعکس کتابوں وغیرہ کا مطالعہ کرنے کے عمل میں انسان کی اندرونی، ذہنی و دماغی صلاحیتیں پوری طرح بیدار رہتی ہیں۔ انسان اپنی قوت متخیلہ کا استعمال کر کے ضبط تحریر میں لائے گئے واقعات کی اپنے ذہن میں ان کی تصویر بناتا ہے۔ اس کے برعکس ٹی وی دیکھتے ہوئے انسان اپنی دماغی صلاحیتوں کو بالکل استعمال نہیں کرتا۔ کیونکہ تصویر خود ہزار الفاظ کا کام کرتی ہے۔ اس لیے دماغ کو زحمت اٹھانے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ اس کا وقت بھی نہیں ہوتا۔ یہ ممکن بھی نہیں ہے۔ دیکھنے والا ٹی وی کی تصویروں، آوازوں اور مختلف قسم کے اثرات میں اتنا کھو جاتا ہے کہ اسے اپنا ہی ہوش نہیں رہتا۔

ٹیلی ویژن اور تعلیم

مندرجہ بالا تفصیلات سے معلوم ہوا کہ ٹی وی کے کوئی تعلیمی فائدے نہیں ہیں۔ ٹی وی کا عمل تیز رفتار ہے۔ جب کہ تعلیم و تعلم کا عمل آہستہ رو ہے۔ اگر تیز رفتاری اختیار کی جائے تو دیکھی ہوئی چیز کا اثر باقی نہیں رہے گا یا بہت کم ہوگا۔ جبکہ ٹی وی کے معاملے میں اس کی ٹیکنیک اور ٹی وی دیکھنے والے کی ذہنی حالت تیز رفتار عکس کاری کا تقاضا کرتی ہے۔ تعلیم و تعلم کے عمل کا موجودہ ماحول سے گہرا ربط ہوتا ہے۔ ٹیچر یہ جانتا ہے کہ اس کے شاگردوں کی ذہنی صلاحیت کیا ہے۔ وہ کتنا سیکھ چکے ہیں۔ ان کو دی جانے والی معلومات کو کس طرح ان کے ماحول سے مربوط کرنا چاہیے۔ جبکہ ٹی وی ماس کمیونیکیشن کا آلہ ہے اور ناظرین کے ماحول سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ تعلیم کا مقصد طلبہ کی ذہنی صلاحیتوں کو جلا بخشنا اور تخلیقی صلاحیتوں کو بیدار کرنا ہے۔ اس کے لیے تعلیم و تعلم کے عمل میں طلبہ کی بھرپور توجہ اور ان کی عملی شرکت ضروری ہے۔ ٹی وی کا اثر اس کے بالکل مخالف ہوتا ہے۔ پیش کی جانے والی تصویروں کی کثرت، قوت تخیل اور تخلیقی صلاحیتوں کو زنگ لگا دیتی ہے۔ بچے اور نوجوان تو اس کا بہت زیادہ اثر لیتے ہیں۔ جبکہ تخیل اور تخلیقی قوتوں سے کام لینے یا ان کو ترقی دینے کی صلاحیت سے بھی وہ محروم ہو جاتے ہیں۔ آخری نتیجہ یہ نکلا کہ ٹی وی سے کسی خاص کیفیت کے پیدا کرنے کا کام تو لیا جا سکتا ہے مگر تعلیم کے لیے ٹی وی بہت نقصان دہ ہے۔ اس لیے تعلیم و تعلم کے لیے ٹی وی کا استعمال بالکل نہیں کرنا چاہیے۔ یا زیادہ سے زیادہ یہ کیا جا سکتا ہے کہ مختصر مدت کے ویڈیو ٹیپ کے ذریعے سے ٹیچر کی تشریحات کے ساتھ مناسب مواد طلبہ کے سامنے پیش کیا جائے۔

چونکہ ٹی وی ذہنوں پر بری طرح اثر انداز ہوتا ہے اس لیے تجارتی اشتہارات کے لیے اسے سب سے زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے ذریعے صارفین کو ایسی اشیا خریدنے کے لیے آمادہ کیا جاتا ہے، جن کی کوئی حقیقی ضرورت نہیں ہوتی اور اسے نہایت کامیاب تجارتی آرٹ سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے ٹی وی پر اشتہارات کے ریٹ بھی بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ دنیا بھر میں ہر سال ہزاروں کھرب ڈالر ٹی وی کے اشتہارات پر صرف کیے جاتے ہیں۔

الیکٹرانک گیمس

یہاں خاص طور سے ان گیمس پر گفتگو کی جا رہی ہے جن میں کھلاڑی کو تیز رفتاری کے ساتھ مشین یعنی کمپیوٹر سے مقابلہ کرنا ہوتا ہے۔ ان کھیلوں میں عام طور پر اسکرین کمپیوٹر اور کوئی درمیانی رابطے کا ذریعہ مثلاً کی بورڈ، جوائے اسٹک یا پسٹل وغیرہ ہوتا ہے۔ جس کی مدد سے اسکرین پر دکھائی دینے والی شے کو اپنی مرضی سے حرکت دی جا سکتی ہے۔ اس قسم کے کھیلوں میں اسکرین پر کچھ خاص قسم کی شکلیں حرکت کرتی ہیں اور کھلاڑی رابطہ کے آلہ کی مدد سے ان شکلوں کو اپنی مرضی کے مطابق حرکت میں لا سکتا ہے۔ کبھی دوڑانا، کبھی چھلانگ مارنا، گولی مارنا، فائر کرنا وغیرہ۔

کھیلنے والے کی کس حرکت سے کیا عمل ہوگا۔ یہ بالکل واضح طور پر متعین ہوتا ہے۔ کھیلنے والا مکمل طور سے مجبور نہیں ہوتا۔ لیکن اس کی حرکات محدود ہوتی ہیں۔ ان حرکات کے دائرے میں رہ کر ہی اسے عمل کرنا ہے۔ وہ اس دائرے سے باہر نہیں جا سکتا۔ کی بورڈ پر وہ صرف انگلیاں چلاتا ہے۔ باقی اعضا حرکت نہیں کرتے۔ جوائے اسٹک صرف ایک ہاتھ سے کنٹرول ہوتا ہے۔ یہ حرکات بالکل میکانیکی ہوتی ہیں۔ سماعت اور بصارت کے انسانی اعضا اور انگلیوں اور ایک ہاتھ کے سوا جسم زیادہ استعمال نہیں ہوتا۔ اور دماغ کا استعمال تو بہت ہی محدود پیمانے پر ہوتا ہے۔ چونکہ کمپیوٹر چلانے والے انسان کا مشین سے مقابلہ ہوتا ہے اور جیتنے کا انحصار کھیلنے والے کی تیز رفتاری پر ہوتا ہے۔ اس لیے سوچنے کا موقع قریب قریب بالکل نہیں ہوتا۔ کھلاڑی کی تمام حرکتیں آٹومیٹک ہوتی ہیں۔ اسی لیے بچے ان گیمس میں بہت دلچسپی لیتے ہیں۔ کیونکہ ان کو زیادہ دماغی محنت نہیں کرنی پڑتی اور وہ بے سوچے سمجھے رابطہ کے آلات کو حرکت دیتے ہیں (استعمال کرتے ہیں)۔ ان گیمس میں چیلنج کے احساسات کا استعمال ہوتا ہے۔ یہ احساسات بیرونی طور پر لادے جاتے ہیں اور مصنوعی ہوتے ہیں۔ ان کا زندگی کے حقائق سے تعلق نہیں ہوتا۔ ان میں نتائج کی پروا نہیں کی جاتی۔ جبکہ دوسری طرف کتابوں وغیرہ کے مطالعے سے جو احساسات بیدار ہوتے ہیں وہ اندرونی ہوتے ہیں۔ اس طرح کسی خوشگوار حقیقی منظر کو دیکھ کر یا کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر جو احساسات پیدا ہوتے ہیں اندرونی ہوتے ہیں۔ اور حقیقی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہی مناظر اسکرین پر دیکھ کر حقیقی جذبات پیدا نہیں ہوتے۔ ان گیمس سے خاص طور سے چیلنج کے احساسات کو ابھارنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس لیے ان میں تشدد کے مناظر زیادہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ ذہن میں بھی وہی مار دھاڑ والی کیفیت پیدا ہوتی ہے، جو نہایت خطرناک صورت حال کی غمازی کرتی ہے۔ کسی عمل کا آٹومیٹک ردعمل ایک غیر انسانی حیوانی فعل ہے۔ یہ جانوروں کی خصلت ہے، جو عقل و شعور سے عاری ہوتے ہیں۔ عاقل و بالغ انسانوں میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ کسی بھی ردعمل سے قبل انسان اس کے بارے میں سوچتا ضرور ہے۔ چونکہ بچوں میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نسبتاً کم ہوتی ہے اس لیے الیکٹرانک گیمس کے نتیجے میں ان کے اندر جو آٹومیٹک ردعمل پیدا ہوتا ہے وہ ان کو حیوانوں کی جبلت کے قریب کر دیتا ہے۔ اور اعلیٰ انسانی خصوصیات یا عقل و شعور کے جلا میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ مثال کے طور پر سڑک پر کسی خوب صورت غیر محرم عورت کو دیکھ کر ایک بالغ انسان کے دل میں اگر اس سے جنسی تعلقات قائم کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے تو وہ اپنی اس خواہش کو روبہ عمل لانے سے پہلے سو بار سوچے گا اور نتائج کا اندازہ لگا کر اپنے آپ پر کنٹرول کرے گا۔ لیکن اگر ایک جانور اس صورت حال سے دوچار ہو تو وہ اپنی اس خواہش کو فوری طور پر پوری کرنے کے لیے آمادہ ہو جائے گا، نتائج کی پروا کیے بغیر۔ یہ حیوانی جبلت ہے۔ اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ الیکٹرانک گیمس بچوں اور نوجوانوں میں حیوانی جبلت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

الیکٹرانک گیمس اور تعلیم

تعلیم کا ایک اہم ترین مقصد ہے طالب علم کو باشعور بنانا۔ انسانوں میں قدرت نے یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ اپنے عمل کو کنٹرول کر سکتے ہیں۔ جذبات کو بے قابو ہونے نہیں دیتے۔ جبکہ حیوانات اپنی جبلت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے نتائج سے بے پروا ہو کر فوری ردعمل کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ الیکٹرانک گیمس انسانوں میں حیوانیت پیدا کرتے ہیں۔ جبکہ تعلیم حیوانیت کو ختم کرنے اور انسانیت کو بڑھاوا دینے کا مقصد رکھتی ہے۔

ٹی وی کی طرح الیکٹرانک گیمس میں بھی کھیلنے والے کے ماحول کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ ہر کھلاڑی کو ایک مشین کی طرح حرکت کرنے کی مشق کرائی جاتی ہے۔ جبکہ تعلیم میں اس بات کو بنیادی طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ ہر انسان دوسرے سے مختلف ہے۔ ان کی صلاحیتوں میں، ان کے مزاجوں میں، ان کے ماحول میں، ان کے جینس میں اختلاف ہے۔ اس لیے ان اختلافات کو تسلیم کرتے ہوئے ان کے اندر موجود صلاحیتوں کو ابھارنا اور ان کو ترقی دینا چاہیے۔ فکر و نظر کی آزادی پیدا کرنی چاہیے۔ الیکٹرانک گیمس میں یہ مقصد پیش نظر نہیں ہوتا۔ وہ سب کو ایک ہی لکڑی سے ہانکتے ہیں۔

تعلیم کا ایک اہم مقصد ہے کہ وہ انسانوں کو آپس میں مل جل کر رہنا سکھائے۔ ان کے درمیان مسابقتی اور معاندانہ جذبات کی بجائے امداد باہمی کے جذبات کو ابھارے۔ اگرچہ جدید پیشہ ورانہ تعلیم میں مسابقانہ اور مقابلہ آرائی کی سوچ پیدا کی جاتی ہے۔ لیکن یہ انسانیت کے لیے نہایت خطرناک ہے اور آج انسان کے دکھوں، غموں اور مصیبتوں میں مبتلا ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان میں امداد باہمی اور معاونت کی بجائے مسابقت اور مقابلہ آرائی زیادہ پائی جاتی ہے۔ غیر انسانی مخلوقات میں مقابلہ آرائی کے جذبات، معاونت کے مقابلے میں زیادہ پائے جاتے ہیں۔ انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے اختیار بھی بخشا ہے اور عقل و ذہانت سے بھی نوازا ہے۔ ان کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ مقابلہ آرائی کی بجائے مفاہمت اور معاونت پر آمادہ رہیں۔ اسی میں انسانوں کی بھی بھلائی ہے اور اس دنیا کی بھی۔ ورنہ دنیا ''خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے۔'' کا نمونہ بن جاتی ہے، جیسا کہ آج کی صورت حال ہے۔ انسانوں میں یہ مفید جذبات پیدا کرنے میں گھر کی تربیت اور اسکول کی تعلیم نہایت اہم رول ادا کرتی ہے۔ بلکہ ان کے درست اور صحیح ہونے کی بنا پر ہی انسانی معاشرے کی حالت سدھر سکتی ہے۔ یہی ایک راستہ ہے۔

الیکٹرانک گیمس اس کے بالکل مخالف عمل کرتے ہیں۔ وہ مفاہمتی اور معاونتی جذبات پیدا کرنے کی بجائے انسانوں کے مسابقتی اور مقابلہ آرائی کے احساسات کو پروان چڑھاتے ہیں۔ وہ تشدد کے مناظر کو ذہنوں میں پیوست کر دیتے ہیں۔ ان کی شناخت کو ختم کر دیتے ہیں۔ مقصد کے حصول کے لیے تشدد اختیار کرنے کی طرف راغب کرتے ہیں۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ مسابقت کا جذبہ بھی انسانوں کی جبلت کا ایک حصہ ہے۔ اور دنیا میں ترقی کرنے کے لیے مسابقت کی تعلیم بھی ضروری ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے۔ اس مضمون کے مصنف نے یہ بات لکھی ہے کہ اس کے اپنے بچوں کو اس نے ان کی تعلیم کے زمانے میں کبھی بھی مقابلہ آرائی کا سبق نہیں سکھایا۔ ہمارے گھر میں کبھی بھی ٹی وی نہیں رہا اور نہ انہوں نے الیکٹرانک گیم کھیلا۔ جب وہ بڑے ہوئے اور ان کی عملی زندگی کا آغاز ہوا تو ان کو مسابقت اور مقابلہ آرائی کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ ان میں ناکام نہیں ہوئے۔ لیکن اس میں بھی انہوں نے اپنی انسانیت کو برقرار رکھا۔ الیکٹرانک گیم بچپن سے ہی مقابلہ آرائی اور مسابقت کے جذبات کو ہوا دے کر ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات فنا کر دیتے ہیں۔ جو ایک خطرناک صورت حال ہے۔

الیکٹرانک گیم کھیلنے والے نوجوان کچھ خاص مگر خطرناک اعمال کے عادی ہو جاتے ہیں۔ وہ جو کچھ سیکھتے ہیں ان کا روزانہ کی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ لیکن ہنگامی حالات میں یا ذہنی دباؤ کی کیفیت میں وہ ان اعمال کو دہراتے ہیں۔ اور ان کے نتائج بعض اوقات بہت ہی خطرناک نکلتے ہیں۔ چنانچہ مغربی ممالک میں اکثر یہ بات سامنے آتی ہے کہ ایک نوجوان بھرا ہوا پستول لے کر کلاس میں داخل ہوا اور بغیر کسی اشتعال اور ترغیب کے اس نے اپنے ساتھیوں کو گولیوں سے بھون دیا۔ اگرچہ اس نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی پستول نہیں چلایا تھا۔ اس نے الیکٹرانک گیمس کے ذریعے سے اس کی تربیت حاصل کی تھی۔ حقیقی زندگی میں تو پولس کے سپاہی بھی بہت خاص حالات میں ہتھیار کا استعمال کرتے ہیں۔ لیکن الیکٹرانک گیمس میں یہ صورت حال ہوتی ہے کہ اگر آپ ذرا بھی دیر کریں تو آپ کے پوائنٹس چلے جائیں گے۔ اس طرح یہ مسابقانہ جذبہ ان کو بے تحاشہ تشدد پر آمادہ کرتا ہے۔ یہ حیوانیت کی انتہا ہے۔ جس کی طرف الیکٹرانک گیم نوجوانوں کو لے جا رہے ہیں۔

مغربی ممالک میں اکثر یہ بات سامنے آتی ہے کہ ایک نوجوان بھرا ہوا پستول لے کر کلاس میں داخل ہوا اور بغیر کسی اشتعال اور ترغیب کے اس نے اپنے ساتھیوں کو گولیوں سے بھون دیا۔ اگرچہ اس نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی پستول نہیں چلایا تھا۔ اس نے الیکٹرانک گیمس کے ذریعے سے اس کی تربیت حاصل کی تھی۔ حقیقی زندگی میں تو پولس کے سپاہی بھی بہت خاص حالات میں ہتھیار کا استعمال کرتے ہیں۔ لیکن الیکٹرانک گیمس میں یہ صورت حال ہوتی ہے کہ اگر آپ ذرا بھی دیر کریں تو آپ کے پوائنٹس چلے جائیں گے۔ اس طرح یہ مسابقانہ جذبہ ان کو بے تحاشہ تشدد پر آمادہ کرتا ہے۔

کمپیوٹر

کمپیوٹر ایک مشین ہے۔ لیکن دیگر تمام مشینوں سے بالکل مختلف۔ دوسری مشینیں انرجی یا مادہ کو اسٹور کرتی ہیں، ان کی شکل تبدیل کرتی ہیں یا ان کو منتقل کرتی ہیں۔ جبکہ کمپیوٹر ڈاٹا پر یہ اعمال انجام دیتے ہیں۔ کمپیوٹر کے ڈاٹا کا ہندسوں میں تعین کیا جانا ضروری ہے۔ کمپیوٹر پروگرام بھی دراصل ایک قسم کا ڈاٹا ہی ہے۔ ڈاٹا ایک ایسی شے ہے جس کا طبعی وجود نہیں ہے۔ اس لیے کمپیوٹر کے سائز کو حیرت ناک حد تک کم کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ جب کہ دیگر مشینیں جیسے لیتھ، کار وغیرہ کا ان اشیا کی ساخت سے مطابقت رکھنا ضروری ہے جن پر ان کا عمل واقع ہوتا ہے۔

کمپیوٹر کا عمل محدود پیمانے پر خیالات کی رو سے مشابہ ہے۔ کمپیوٹر پروگرام ایسے انسانی خیالات ہیں جن کو کمپیوٹر کی زبان میں دی گئی ہدایات کی شکل میں ڈھال دیا گیا ہے۔ کمپیوٹر کے پروگرام پر عمل آوری مشابہ ہے ان خیالات کے جنہیں پروگرامر نے کسی مخصوص ڈاٹا پر عمل کرنے کے لیے ڈھالا ہے۔ یہ کہنا غلط ہے کہ کمپیوٹر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کیونکہ لازمی طور پر کمپیوٹر کو ان ہدایات پر عمل کرنا ہے جو اس کو پروگرام کے ذریعے دی گئی ہیں۔ ان ہدایات کا ایسی شکل میں ہونا ضروری ہے جن پر مشین عمل کر سکے۔ انسانی ذہن کی سوچ بچار اور استدلال کی قوت کہیں زیادہ وسیع ہے۔ کمپیوٹر پروگرام بنانے میں یا کمپیوٹر پروگرام کو روبہ عمل لانے کے لیے جتنی صلاحیت درکار ہے وہ انسانی ذہن کی صلاحیت کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ کمپیوٹر، پروگرام کی ہدایات پر بغیر سوچے سمجھے اور نہایت سختی کے ساتھ عمل کرتا ہے۔ اس کی اپنی کوئی تخلیقی صلاحیت نہیں ہوتی۔ نہ اس کے جذبات اور احساسات ہوتے ہیں۔ یہ تو ہم انسان ہیں جن کا فکر و شعور، جذبات اور احساسات سے متاثر ہوتا ہے اور ان کو متاثر کرتا ہے۔

کمپیوٹر کے تعلق سے مصنوعی ذہانت (Artificial Intelligence) کا بڑا چرچا ہے اور اسٹیون اسپیل برگ (Stevan Spielburg) نے اس موضوع پر ایک فلم بھی بنائی ہے۔ جس سے بڑے بڑے ماہرین بھی متاثر ہوئے ہیں۔

کچھ تصورات ہیں جو کائناتی ہیں۔ جیسے دائرے کی تعریف۔ ان میں ریاضیات کا بڑا دخل ہے۔ ان تصورات میں انسان کے خیالات کا دخل نہیں ہے۔ لیکن انسانی غور و فکر موضوعی ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ مواد جس پر غور و فکر کیا جا رہا ہے وہ عالمی اور غیر موضوعی ہو سکتا ہے۔ البتہ جذبات و احساسات ہمیشہ موضوعی ہوتے ہیں۔ گلاب کے پھول کو بہت سے اشخاص پسند کرتے ہیں۔ لیکن ہر ایک کی پسند کا ایک جیسا ہونا کوئی ضروری نہیں۔ اس کا تعلق داخلی کیفیات سے ہے۔ جو ہر انسان میں مختلف ہوتی ہیں۔ کمپیوٹر جذبات و احساسات اور اس طرح کی اندرونی کیفیات سے عاری ایک مشین ہے جو سختی کے ساتھ صرف ریاضی کے اصولوں کے مطابق عمل کرتی ہے۔ اس کی اپنی کوئی تخلیقی صلاحیت نہیں ہوتی۔ کمپیوٹر کو پروگرام کے ذریعے جو ہدایات دی جاتی ہیں ان کے مطابق عمل کر کے کوئی بھی انسان اس ڈاٹا سے وہی نتائج نکال لے گا جو کمپیوٹر نکالتا ہے۔ یہ کہنا پاگل پن ہے کہ کمپیوٹر بھی انسانوں کی طرح سوچ سکتا ہے اور ایک دن کمپیوٹر انسانوں پر بھی حکومت کرنے لگیں گے۔ یہ خطرناک خیال اسپیل برگ نے اپنی فلم میں پیش کیا تھا اور بہت سے لوگ اس سے متاثر ہو گئے تھے۔ اس فلم میں بتایا گیا تھا کہ انسان بھی ایک مشین ہے۔ اس لیے کمپیوٹر اس انسانی مشین کو مغلوب کرنے کی صلاحیت پیدا کر سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک انتہائی غیر سائنسی نظریہ ہے۔ کمپیوٹر پروگرام کی ہدایات، خالصتاً ریاضی کے اصولوں کے مطابق عمل کرتی ہیں۔ جبکہ دیگر مشینیں جن اصولوں پر عمل کرتی ہیں وہ تقریبی مقداروں (Approximations) پر مبنی ہوتی ہیں۔ یہ اس لیے ہے کہ مادہ کی حقیقت کو آج تک سائنس سمجھ ہی نہیں سکی ہے۔ اور اس سے تعلق رکھنے والے تمام نظریات تخمینی ریاضیات پر انحصار کرتے ہیں۔

کمپیوٹر پروگرام کی ہدایات ریاضیاتی تو ہوتی ہی ہیں۔ ان کا منطقی اور علامتی بھی ہونا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ ان کو سختی کے ساتھ قواعد اعداد (Algorithm) کی بھی پابندی کرنا ضروری ہوتی ہے۔ یعنی ان کے تمام مراحل کو کسی خاص ترتیب سے بیان کیا جانا ضروری ہے۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ کمپیوٹر ایک مجرد، پیچیدہ، ریاضیاتی اور Algorithmic مشین ہے۔ کمپیوٹر کے اندر جو کچھ واقع ہوتا ہے اس کا حقیقی دنیا سے اس وقت تعلق قائم نہیں ہوتا جب تک کہ کسی دوسری چیز جیسے پرنٹر، اسکرین وغیرہ کو اس کے تابع نہ کر دیا جائے۔ گویا کمپیوٹر ہر چیز مجازی طور پر اپنے اندر داخل کرتا ہے اور ظاہر کرتا ہے۔ یہ صورت حال انسانی دماغ کے کام سے مشابہ ہے۔ کمپیوٹر کی ایک خصوصیت ایسی ہے جو دوسری مشینوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ یعنی ان کا خود بخود روبہ عمل ہونا۔ جیسے واشنگ مشین میں کپڑے، پانی، صابن وغیرہ ڈال کر ٹائم سیٹ کر دیا جائے اب مشین خودکار طریقے سے مقررہ وقت تک دھلائی کرے گی۔ کمپیوٹر کو جو ہدایات دی جاتی ہیں ان کے مطابق ڈاٹا کی بڑی مقدار پر کمپیوٹر خود بخود کسی اور کی مدد کے بغیر عمل کر سکتا ہے۔ ہم اگر کمپیوٹر کو کوئی ایک ہدایت بھی دیتے ہیں تو حقیقتاً کمپیوٹر اس پر عمل کرنے کے لیے بہت سی ذیلی ہدایتوں کا محتاج ہوتا ہے۔ جن میں ہمارا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔

مثلاً ورڈ پروسیسر میں کسی سطر کو Justify کرنے کے عمل میں ہم تو صرف ایک آئی کون پر کلک کرتے ہیں۔ مگر اس پر عمل کرنے کے لیے کمپیوٹر کو اندرونی طور سے بے شمار مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ یعنی سطر کے پہلے لفظ کو انتہائی سرے تک دھکیلنا، سطر میں موجود خالی جگہ کی پیمائش کرنا، ہر دو الفاظ کے درمیان کتنی جگہ خالی ہوگی اس کی تحسیب کرنا، ہر لفظ کے لیے درکار جگہ کی تحسیب کرنا، سطر کے آخری لفظ کو انتہائی سرے تک دھکیلنا وغیرہ۔ یہ وہ مراحل ہیں جنہیں ہم نے اپنی زبان میں بیان کر دیا۔ لیکن کمپیوٹر کو ان کے لیے بہت سے ریاضیاتی عمل کرنے ہوتے ہیں۔

کمپیوٹر کی ایک خاصیت یہ ہے کہ اس کا ہر عمل پہلے سے طے شدہ ہے اور وہ اس سے ذرہ برابر انحراف نہیں کر سکتا۔ کسی ایک حالت میں آجانے کے بعد جب اسے کوئی دوسری ہدایت ملے گی تو ہمیشہ اسی ہدایت کے مطابق عمل کرے گا۔ یکساں ہدایت اور یکساں ڈاٹا سے ہمیشہ ایک ہی طرح کے نتائج سر مو فرق کے بغیر نکلیں گے۔ یہ کمپیوٹر کی مشین کی بنیادی اور اہم ترین خاصیت ہے۔ کسی دوسری مشین میں جو غیر ہندسی (Non - Digital) ہو یہ خاصیت نہیں پائی جاتی۔ یہاں تک کہ آٹومیٹک لیتھ مشین بھی جو پرزے تیار کرتی ہے ان میں فرق ہوتا ہے۔ چاہے وہ انتہائی کم ہو مثلاً ایک انچ کا 100k واں حصہ۔ لیکن ہر پرزہ ریاضیاتی اعتبار سے بالکل یکساں ہوگا، اس کی ضمانت کمپیوٹر یا کسی (Digital) مشین کے علاوہ کسی دوسری مشین سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ کمپیوٹر کی اور دوسری بہت ساری خصوصیات ہیں جو اس کو دوسری مشینوں سے ممتاز کرتی ہیں۔ لیکن یہاں صرف ان خصوصیات سے بحث کی جا رہی ہے جو تعلیم و تعلم سے تعلق رکھتی ہیں۔

کمپیوٹر کے استعمال کنندگان کی حرکات کمپیوٹر کے ساتھ بھی بالکل محدود ہوتی ہیں۔ ویسے ہی جیسے الیکٹرانک گیم کھیلنے والے کی حرکات۔ اس میں شک نہیں کہ کمپیوٹر کا استعمال کرنے والا اسکرین پر نظر بھی دوڑاتا ہے، ماؤس کو حرکت بھی دیتا ہے، کی بورڈ بھی چلاتا ہے۔ اس طرح وہ مختلف قسم کی حرکات انجام دیتا ہے۔ لیکن ان کا دائرہ بہت ہی محدود اور میکانیکل قسم کا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ کسی حقیقی کھیل میں طبعی حرکات مثلاً گیند پکڑنا اور پھینکنا یا اس کو مارنا وغیرہ کے مقابلے میں بھی کمپیوٹر کے آلات کے ساتھ استعمال کنندہ کا تعامل محدود میکانیکی قسم کا ہوتا ہے۔ اگرچہ الیکٹرانک گیم کی طرح کمپیوٹر کے استعمال میں تیز رفتار حرکت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ استعمال کنندہ یہاں بھی مشین کا پابند ہوتا ہے۔ وہ اس کے ساتھ گھنٹوں گزار دے لیکن اس کی دماغی کیفیت میں کوئی خاص ترقی نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ کمپیوٹر ایک مجبور کار اور طے شدہ اقدامات کرنے والی مشین ہے۔ جب ان خصوصیات کی مشین کو ہم استعمال کرتے ہیں تو گویا اس بات کا ہمیں یقین ہوتا ہے کہ ہمارے ہر عمل کا نتیجہ ایک ہی طرح کا اور جانا بوجھا نکلے گا۔ چاہے کتنی ہی مرتبہ وہ عمل دہرایا جائے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کمپیوٹر کو کوئی ہدایت دینے کے بعد مطلوبہ نتیجہ نہیں نکلتا تو ہم شدید الجھن کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ کمپیوٹر ایک مجرد ریاضیاتی اصولوں پر چلنے والی مشین ہے اس لیے ان ہدایات کا وہی نتیجہ ہمیشہ نکلنا چاہیے اور جب ایسا نہیں ہوتا تو ہماری الجھن شدید ہو جاتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ الجھن انسان کی خود کی پیدا کردہ ہوتی ہے اور کمپیوٹر کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا ہے۔ کمپیوٹر کا استعمال کنندہ اس بات کے لیے مجبور ہوتا ہے کہ وہ کمپیوٹر کی سو فی صد یقین شدہ اور ریاضیاتی بنیادوں پر تشکیل دی گئیں ہدایات کو بالکل ٹھیک ٹھیک قواعد کے مطابق استعمال کرے اور ان سے ذرہ برابر بھی انحراف نہ کرے۔ ذرا سے بھی انحراف کا نتیجہ غلط نتائج کا باعث ہوگا۔ ان کو مشینی قواعد کہا جا سکتا ہے۔ آپ چاہے الفاظ ٹائپ کر رہے ہوں یا ٹائپ شدہ تحریر پر کوئی عمل کرنا چاہتے ہوں مثلاً اس کا سائز

باقی صفحہ ۷ پر

سہ روزہ دعوت

۷ر جنوری ۲۰۰۹ء

اسرائیلی جارحیت

سات دنوں کی اندھا دھند بمباری کے بعد بالآخر اسرائیل نے اپنی زمینی فوج بھی غزہ میں داخل کردی ہے۔ ان سات دنوں کی ننگی جارحیت میں عالمی خبر رساں ایجنسیوں کے مطابق چار سو سے اوپر فلسطینی جن میں معصوم بچے، بزرگ شہری اور بوڑھی عورتیں بھی شامل ہیں جاں بحق ہوچکے ہیں مگر فلسطینی ذرائع کا کہنا ہے کہ شہید ہونے والوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ اسرائیلی ذرائع تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسرائیل کی کارروائی بنیادی طور پر جوابی کارروائی تھی یعنی اسرائیل نے غزہ پر جو فضائی حملے شروع کئے تھے وہ حماس کے ان راکٹ حملوں کے جواب میں تھے جو فائر بندی کی مدت ختم ہوجانے کے بعد سے اسرائیل پر مسلسل جاری تھے جن کے سبب اسرائیل کی عام زندگی مفلوج ہوکر رہ گئی تھی اور یہی بات امریکہ اور اس کے دوسرے حامی بھی کہہ رہے ہیں اور یہ بتا رہے ہیں کہ حماس ہی ان اسرائیلی 'زیادتیوں' کے لئے ذمہ دار ہے۔ لیکن کسی نے بھی یہ بات نہیں اٹھائی کہ آخر حماس کو فائر بندی کی مدت میں توسیع سے کیوں انکار کرنا پڑا اور کیوں راکٹ حملوں کی حکمت عملی اختیار کرنی پڑی۔ دراصل حماس نے اسرائیل کے ساتھ فائر بندی کا جو معاہدہ کیا تھا اور جن شرائط پر کیا تھا ان میں سے اسرائیل نے ایک شرط بھی پوری نہیں کی، بلکہ اس نے غزہ کا حصار نہ صرف جاری رکھا بلکہ وقتاً فوقتاً فلسطینیوں پر حملے بھی جاری رکھے، اپنی عادت کے مطابق فائر بندی کی شرطوں کی دھجیاں اڑاتا رہا، اس نے جگہ جگہ جو ناکہ بندیاں کھڑی کر رکھی تھیں فائر بندی کے معاہدے کے مطابق اسرائیل کو انہیں ختم کرنا تھا تاکہ غزہ کے لوگوں کی آمد و رفت جاری رہے، یہی نہیں بلکہ اس نے اس دوران جو حملے کئے ان کی وجہ سے جو بحرانی کیفیت پیدا ہوئی اس کو دور کرنے کے لئے خود فلسطینیوں نے جو کوششیں کیں ان کو بھی ناکام بنانے کی کوشش کی مثلاً غذائی اور طبی ضرورتوں کے لئے مصر کی طرف سے جانے کے راستے مصر پر دباؤ ڈال کر بند کروائے، حماس اور فتح کے درمیان اختلافات کو ہوا دی یہاں تک کہ دونوں کو آپس میں لڑوادیا اور اس معاملے میں فتح کی ہر طرح سے مدد کی، یہ سب فائر بندی کی خلاف ورزیاں تھیں، یہ فائر بندی امریکہ کے ایما پر ہوئی تھی اس نے بھی اپنی ذمہ داریاں نہیں نبھائیں۔ یہاں تک کہ حماس کو صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالنے کی کوششیں کی جاتی رہیں، ایسی صورت میں مجبور ہوکر حماس نے فائر بندی کے معاہدے میں توسیع کے سلسلے میں کسی قسم کی دلچسپی کا مظاہرہ نہیں کیا، لیکن جب تک فائر بندی تھی اس وقت تک اس کی مکمل پابندی کی۔

امریکہ اور دنیا مانے یا نہ مانے لیکن اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ اسرائیل نے کیا کیا اور حماس نے کیا کیا، فائر بندی کا معاہدہ ختم ہوجانے کے بعد حماس نے جو قدم اٹھایا اس کا مقصد اسرائیل کو اس کے سرپرستوں کو اور پوری دنیا کو اس کی طرف متوجہ کرنا تھا کہ انہیں اپنی ذمہ داریاں ادا کرنی چاہئیں۔ فائر بندی کا معاہدہ ختم ہوجانے کے بعد اسرائیل پر حماس کی طرف سے جملہ تین قسم کے راکٹ داغے گئے۔ ان میں ایک قسم قسام راکٹوں کی تھی جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ۱۰ تا بارہ کلو میٹر دوری تک مار کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ دوسری قسم کے راکٹ گریڈ راکٹ تھے جو اسرائیل میں اٹھارہ تا بیس کلو میٹر اندر تک جاکر گرے، اور تیسری قسم اوغاب، فجر اور رعد راکٹ تھے جو ۴۵ کلو میٹر دور تک جاکر گرتے ہیں۔ جن اسرائیلی شہروں پر یہ راکٹ گرے ہیں ان میں اشدداد، اشکلان عذ بیئر شعبہ وغیرہ ہیں، لیکن خود عالمی خبر رساں ایجنسیوں کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق اب تک اسرائیل پر سیکڑوں کی تعداد میں راکٹ داغے جاچکے ہیں لیکن ان سے کوئی زیادہ جانی و مالی نقصان نہیں ہوا ہے۔ اس لئے کہ زیادہ تر راکٹ سنسان اور غیر آباد مقامات پر گرے ہیں، جو کچھ جانی نقصان ہوا ہے ان کی کل تعداد چار بتائی جاتی ہے۔ بعض عمارتیں البتہ ان کے نشانے پر آئی ہیں۔ ان کے بدلے میں اسرائیل نے جو کارروائی کی ہے ان میں چار سو سے زیادہ انسانی جانیں تلف ہوچکی ہیں۔ ہزاروں زخمی ہوئے ہیں۔ اسرائیل نے جو حالت پیدا کردی ہے ان میں امدادی کام کرنے والوں کے لئے بھی سخت مشکلات پیدا ہورہی ہیں بلکہ امدادی کام ناممکن ہوگیا ہے۔ عالمی ادارے اقوام متحدہ اور دوسری ایجنسیوں کا کہنا ہے کہ ان میں پچیس فیصد وہ لوگ ہیں جو عام شہری تھے ان کا حماس سے کوئی تعلق نہیں تھا، اس طرح اسرائیل نے صرف حماس کے ٹھکانوں کو نشانہ نہیں بنایا ہے بلکہ زیادہ تر عام شہری ٹھکانے تھے، اس نے تو اسکول، کالجوں اور اسپتالوں تک کو نہیں چھوڑا ہے۔ اقوام متحدہ میں فلسطینی نمائندے نے اخبار نویسوں کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے یہی نکتہ اٹھایا ہے۔ دوسری طرف حماس کی طرف سے جو راکٹ داغے گئے ان کا نقصان برائے نام ہے۔ حالانکہ اگر وہ چاہتے تھے تو دباؤ ڈالنے کے لئے وہ بھی شہری ٹھکانوں کو نشانہ بنا سکتے تھے۔ اب بھی یہ کہا جارہا ہے کہ حماس راکٹ حملے بند کردے اور فائر بندی کے لئے تیار ہوجائے۔ یہ بالکل الٹی منطق ہے یعنی جارح کو تو اجازت دی جارہی مظلوم کا ہاتھ روکا جارہا ہے۔

مشرق وسطیٰ کی لڑائی سے غزہ کے پھر مقبوضہ بننے کا خطرہ

اسرائیل فضائی اور زمینی کارروائی سے غزہ میں جہاں بہت تباہی مچا سکتا ہے۔ وہیں حماس بھی اس کے سرحدی علاقوں کو غیر محفوظ کرسکتی ہے

ناکہ بندی سے فلسطینیوں کو ہونے والی پریشانیوں کو درکنار کرکے اسرائیل نے حماس کے راکٹ حملوں کا بہانہ کرکے غزہ پٹی میں جو غیر ضروری جنگ چھیڑی ہے اس سے نہ صرف مشرق وسطیٰ میں امن واستحکام اور غزہ پٹی کے لوگوں کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہوگیا بلکہ یہ بھی اندیشہ ظاہر کیا جارہا ہے کہ غزہ کا علاقہ ایک بار پھر مقبوضہ بن سکتا ہے جہاں سے بڑی مشکل سے اسرائیلی فوج کا انخلاء ہوا تھا۔ یہ بھی کہا جارہا ہے کہ حماس جوابی کارروائی کرتے ہوئے طویل فاصلے تک مار کرنے والے جدید ترین راکٹ سے اسرائیل کے اندر جس طرح حملے کررہی ہے اس سے ڈیمونا میں واقع اسرائیل کے خفیہ ایٹمی پلانٹ کو بھی خطرہ پیدا ہوگیا ہے۔ اخبار 'ٹائم' کی تو یہ بھی رپورٹ ہے کہ اسرائیل کے سرحدی شہروں میں مقامی باشندے حماس کے راکٹ حملوں کے خوف سے اتنی بڑی تعداد میں نقل مکانی کررہے ہیں جس کی ماضی میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ شاید اسی لئے یہ کہا جارہا ہے کہ حماس کے پے در پے حملوں سے بوکھلا کر اسرائیل فضائی حملے کے بعد غزہ میں داخل ہوکر ابھی تو زمینی حملے کرنے لگا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ آگے فلسطینیوں کے خلاف کیمیائی ہتھیاروں کا بھی استعمال کرے جیسا کہ اس نے لبنان میں حزب اللہ سے جنگ کے دوران کیا تھا۔

سات دن کی فضائی کارروائی کے بعد جس طرح اسرائیل نے غزہ میں زمینی کارروائی کے لئے داخل ہوکر اس کی آزادی کو یرغمال بنالیا ہے اور فوجیوں کو کہیں بھی حملے کی کھلی چھوٹ دی ہے، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسرائیل کے عزائم خطرناک ہیں اور اسے امریکہ کی مکمل حمایت حاصل ہے۔ غزہ پر حملہ شروع کرنے کے بعد امریکی صدر جارج ڈبلیو بش اور اسرائیل کے درمیان بات چیت بھی ہوئی ہے۔ ابھی جبکہ پوری دنیا غزہ کی لڑائی کی مذمت کررہی ہے امریکی وزیر خارجہ کنڈولیزا رائس کا کہنا ہے کہ اسرائیل حماس کو راکٹ حملوں کے قابل نہ چھوڑے۔ خبر تو یہ بھی ہے کہ امریکہ نے غزہ پر حملے کے لئے ہری جھنڈی دکھاتے ہوئے اسرائیل سے کہہ دیا ہے کہ چاہے فضائی حملے کرے یا زمینی وہ آزاد ہے۔ وہ اس وقت تک حملے کرتا رہے جب تک غزہ پر حماس کی حکومت نہیں ختم ہوجاتی اور راکٹ حملوں کی اس کی پوری صلاحیت ختم نہیں ہوجاتی جو اسرائیل کے لئے مستقل خطرہ بنے ہوئے ہیں، راکٹ حملوں کی صلاحیت سے امریکہ بھی پریشان ہے۔ راکٹ اگرچہ دیسی ساختہ ہیں جو دور تک مار نہیں کرسکتے لیکن ان کی ٹیکنالوجی ایسی ہے کہ آسانی کے ساتھ کہیں سے بھی بہت کم وقت میں انہیں داغا جاسکتا ہے۔ کم از کم اسرائیل کے سرحدی شہر اس کے نشانے پر ضرور ہیں۔ ماضی میں حزب اللہ نے اسی حکمت عملی کے تحت ۲۰۰۶ء کی ۳۴ روزہ جنگ میں اسرائیل کو اخلاقی شکست تسلیم کرنے پر مجبور کیا تھا۔

اس وقت غزہ میں جو صورتحال ہے اور اسرائیلی کارروائیوں میں وہاں جس طرح بڑی تعداد میں ہلاکتیں ہورہی ہیں، ان پر امریکہ اور اسرائیل کو چھوڑ کر پوری دنیا کو تشویش ہے اور ہر کوئی وہاں جنگ بند کرانا چاہتا ہے۔ اس کے لئے اپیلیں بھی کی جارہی ہیں اور جنگ کی مذمت کی جارہی ہے۔ ابھی تک ساڑھے چار سو سے زائد فلسطینی شہید اور تقریباً ڈھائی ہزار زخمی ہوچکے ہیں۔ اسرائیلی حملوں کا عالم یہ ہے کہ جنازوں، مساجد اور پناہ گزین کیمپوں تک کو نشانہ بنایا جارہا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ جانی نقصان ہو اور فلسطینی کوئی بھی جگہ محفوظ نہ سمجھیں۔ دنیا کے سامنے اس وقت سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ وہ جنگ کس طرح بند کرائے کیونکہ فضائی حملوں کے ساتھ اسرائیل کی زمینی کارروائی میں بہت زیادہ جانی نقصان کا اندیشہ ہے۔ اب تک اس کے لئے جو بھی کوششیں کی گئی ہیں وہ زبانی جمع خرچ کے سوا کچھ نہیں تھیں یہی وجہ ہے کہ کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں اس کے لئے ایک قرارداد بھی ایک بار پیش کی گئی جسے امریکہ نے اسرائیل مخالف قرار دے کر مسترد کردیا۔ اس کے بعد سے قرارداد کے مسودے پر اتفاق ہی نہیں ہورہا ہے۔

حالانکہ مذکورہ جنگ کا ذمہ دار پوری طرح اسرائیل ہے کیونکہ پہلے تو اس کی ناکہ بندی نے فلسطینیوں کو راکٹ حملے پر اکسایا یا پھر اس نے راکٹ حملوں کا بہانہ کرکے جنگ مسلط کردی۔ پھر بھی یورپ، اقوام متحدہ اور امریکہ اسرائیل کے حق دفاع کی رٹ لگاکر حماس ہی کو قصوروار ٹھہرارہے ہیں۔ غزہ میں اسرائیل کی زمینی کارروائی کے بعد اگر حماس کچھ اور اسرائیلی فوجیوں کو یرغمال بنانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں جیسا کہ انھوں نے دھمکی دی ہے تو صورتحال اور بھی سنگین ہوسکتی ہے۔ ایک بنیادی سوال جسے بین الاقوامی برادری نظر انداز کررہی ہے کہ جس کا وجود ہی ناجائز ہے اسے حق دفاع کیسے حاصل ہوسکتا ہے اور اس کی کوئی بھی کارروائی جائز کیسے ہوسکتی ہے؟ اصل حق تو مظلوم فلسطینیوں کا ہے جنہیں دنیا اپنے حقوق کے لئے لڑنے اور مزاحمت کرنے کا حق بھی نہیں دے رہی ہے۔ ناانصافی کی یہی وہ بنیاد ہے جس کی وجہ سے چالیس سال میں بھی مشرق وسطیٰ کا مسئلہ حل نہیں ہوسکا۔ صلح صفائی کے ذریعے وقتی طور پر لڑائی تو بند ہوجاتی ہے لیکن اندر ہی اندر آگ سلگتی رہتی ہے اور وہ اچانک شعلہ بن جاتی ہے۔

اسرائیل گزشتہ اکتالیس برسوں سے فلسطینیوں کی سرزمین پر قابض ہے جس نے سابق فلسطینی صدر یاسر عرفات جیسے لوگوں کو بھی نظر بند کرکے مرنے پر مجبور کیا جنھوں نے اوسلو معاہدے کے ذریعے محض لنگڑی لولی حکومت کے عوض اسرائیل کو مملکت کی حیثیت سے منظوری دے کر اسے نئی زندگی دی۔ اس سے امن کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے؟ اگر اسرائیل اور امریکہ یہ سمجھتے ہیں کہ مسٹر عرفات، حماس کے لوگوں اور جو بھی فلسطینی اسرائیل کے خلاف یا اپنے حقوق کے حصول کے لئے کھڑے ہوں ان کو ماردینے سے فلسطینیوں کی تحریک کی کمر ٹوٹ جائے گی تو یہ ان کی خوش فہمی ہے۔ گزشتہ اکتالیس برسوں سے دنیا دیکھ رہی ہے کہ فلسطینیوں کی تحریک ایسی کارروائیوں سے کمزور نہیں ہوتی بلکہ اسے مزید تقویت ملتی ہے اور فلسطینیوں میں نیا جوش و ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ اگرچہ اسرائیل امریکہ کی مدد سے محمود عباس اور ان کی الفتح جماعت کو اپنا ہمنوا بنانے اور حماس کا شدید مخالف بنانے میں کامیاب ہوگیا اور وہ موجودہ لڑائی میں بھی وہی بولی بول رہے ہیں جو امریکہ بول رہا ہے لیکن عام فلسطینی اب بھی وہی چاہتے ہیں جو حماس چاہتی ہے اور یہی حماس کی سب سے بڑی طاقت ہے۔ بین الاقوامی برادری اگر واقعی خطے میں امن چاہتی ہے تو اسے خطے کے مسائل کا پائدار حل تلاش کرنا ہوگا جس کی ضرب اسرائیل پر پڑتی ہے تبھی کچھ ہوسکتا ہے۔ صرف اسرائیل کے مفادات کی باتیں کرنے یا انہیں تحفظ فراہم کرنے سے مسائل حل نہیں ہوں گے۔ فلسطینیوں کے حقوق اور مفادات کو بھی ترجیح دینی ہوگی۔ ●●

دہلی میں ایک اہم میٹنگ

جامعہ ملیہ اسلامیہ کیلئے اقلیتی کردار کا مطالبہ

نئی دہلی — ۲ر جنوری کو یہاں ایک اہم میٹنگ میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے لئے اقلیتی ادارے کے درجے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ یہ میٹنگ، جسے منتظمین نے سیمینار کا نام دیا تھا، جامعہ ٹیچرز ایسوسی ایشن نے طلب کی تھی۔ اس میں جامعہ سے وابستہ افراد کے علاوہ بڑی تعداد میں ملی وسماجی شخصیات نے شرکت کی جن میں سید شہاب الدین سابق ایم پی، مولانا محمود مدنی، جناب نصرت علی، ڈاکٹر ظفر الاسلام خاں، محمد ادیب ایم پی، مولانا احمد علی قاسمی، مولانا محمد رفیق قاسمی، کمال فاروقی اور ڈاکٹر سید قاسم رسول الیاس وغیرہ شامل ہیں۔ کارروائی کے اختتام پر منتظمین کی جانب سے جو نوٹ جاری کیا گیا اس کا مکمل متن یہاں دیا جارہا ہے:

جامعہ پر سیمینار

جامعہ ٹیچرز ایسوسی ایشن کی طرف سے ایک سیمینار ۲ر جنوری کو بمقام کمیٹی روم، انجینئرنگ فیکلٹی میں منعقد ہوا، صدارت جناب پروفیسر محمد رئیس خان سابق صدر جامعہ ٹیچرز ایسوسی ایشن وصدر شعبہ ریاضی جامعہ ملیہ نے کی۔ سیمینار میں بڑی تعداد میں جامعہ کے ٹیچرس، جامعہ کی اکیڈمک اور ایگزیکیٹو کونسل کے ممبران، جامعہ اولڈ بوائز، انتظامیہ اسٹاف، اکابر ملت اور سیاسی رہنماؤں نے شرکت کی۔ تلاوت قرآن پاک کے بعد ٹیچرس ایسوسی ایشن کے صدر جناب پروفیسر نصرت اللہ خان نے جامعہ کے اقلیتی کردار کے ضمن میں موجودہ صورتحال کی عکاسی مندرجہ ذیل نکات پر کی:

(۱) یہ واقعہ ہے کہ دستور ہند کی دفعہ ۳۰ (الف) کے تحت جامعہ ملیہ اسلامیہ ''اقلیتی ادارہ'' ہے۔ مسلمانوں نے اس ادارے کو تحریک خلافت اور تحریک عدم تعاون کے زمانے میں ۱۹۲۰ء قائم کیا تھا جب گاندھی جی نے سرکاری تعلیمی اداروں کے بائیکاٹ کی اپیل کی تھی یہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ (۲) جامعہ برادری کا اور انتظامیہ جامعہ کا موقف ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ ''جامعہ ایک اقلیتی ادارہ ہے''۔ چنانچہ جب دہلی ہائی کورٹ میں جامعہ کی ''داخلہ پالیسی'' آفتاب عالم کیس (LPA No.132/97) اور ساجد احمد کیس (WPC No.10526/05) کے ضمن میں زیر بحث آئی تو جامعہ کا واضح موقف یہ تھا کہ ۱۹۲۰ء میں اپنے قیام سے لے کر اب تک جامعہ ایک اقلیتی ادارہ رہا ہے۔ (۳) جامعہ ملیہ اسلامیہ کو ۱۹۳۹ء میں سوسائٹی رجسٹریشن ایکٹ ۱۸۶۰ء کے تحت رجسٹر کرایا گیا تھا۔ اس موقع پر ''میمورنڈم آف ایسوسی ایشن'' میں جامعہ کے اغراض ومقاصد کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا تھا: ''ہندوستانی باشندوں کی اور بالخصوص مسلمانوں کی مذہبی اور سیکولر تعلیم کا نظم اور اسے فروغ دینے کی کوشش جو درست تعلیمی خطوط پر مبنی ہو اور قومی زندگی کی ضروریات سے ہم آہنگ ہو۔ اس مقصد کے لئے جامعہ کیمپس کے اندر ضروری تعلیمی ادارے قائم کرنا اور چلانا نیز دہلی میں وقتاً فوقتاً تعلیمی توسیعی مراکز کا قیام عمل میں لانا''۔ (۴) ۱۹۶۲ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کو ''ڈیمڈ یونیورسٹی'' (Deemed University) کا درجہ دیا گیا۔ اس سے جامعہ کے ''کردار'' پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ بعد ازاں ۱۹۸۸ء میں پارلیمنٹ نے ''جامعہ ملیہ اسلامیہ ایکٹ'' ۱۹۸۸ء پاس کیا اور جامعہ کو ''مرکزی یونیورسٹی'' قرار دیا۔ اس ایکٹ کے ذریعے جامعہ ملیہ اسلامیہ سوسائٹی کو (جو اس وقت موجود تھی اور مسلمانوں کی جائداد تھی) تحلیل کردیا گیا اور مذکورہ سوسائٹی کی تمام پراپرٹی، حقوق، اختیارات اور امتیازات اس نئی مرکزی یونیورسٹی (Central University) کے حق میں منتقل کردیئے گئے، جس کا تذکرہ مذکورہ ایکٹ کی دفعہ i(4) میں موجود ہے۔ (۵) ۹ر مئی ۱۹۹۷ء کو جامعہ کی مجلس منتظمہ (Executive Council) نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اقلیتی کردار کا اثبات کرتے ہوئے ایک قرارداد منظور کی۔ قرارداد کا متعلقہ جزو درج ذیل ہے: ''جامعہ ہمارے ملک کے دستور کی سیکولر اور حریت نواز اسپرٹ کا نمائندہ ادارہ ہے۔ اسی کے ساتھ یہ ادارہ ہندوستانی مسلمانوں کی تعلیمی وفکری آرزوؤں وامنگوں کی عکاسی بھی کرتا ہے اس بنا پر یہ ضروری ہے کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کو اقلیتی ادارہ قرار دیا جائے تاکہ اس کا تاریخی کردار محفوظ رہ سکے''۔ (۶) قومی اقلیتی کمیشن نے ۶ر مئی ۱۹۹۷ء کو ''وزارت فروغ انسانی وسائل (MHRD) کی خدمت میں ایک سفارش ارسال کی (حوالہ NCM /SR/97/26) اس سفارش میں کہا گیا تھا: ''جامعہ ملیہ اسلامیہ ایکٹ ۱۹۸۸ء میں مناسب ترمیم کی جائے تاکہ جامعہ کے اقلیتی کردار کو یقینی بنایا جاسکے''۔ (۷) یکم اگست ۱۹۹۷ء کو جامعہ کے اقلیتی کردار کا معاملہ راجیہ سبھا میں اٹھایا گیا۔ اس موقع پر حکومت کی جانب سے جو جواب دیا گیا تھا وہ درج ذیل ہے: ''تعلیمی اداروں بشمول یونیورسٹیوں کو اقلیتی ادارہ قرار دینے کا معاملہ اس وقت سپریم کورٹ کی گیارہ رکنی بنچ کے سامنے زیر سماعت ہے چنانچہ اس مرحلے میں حکومت اس سلسلے میں کوئی فیصلہ نہیں کرسکتی''۔ (۸) بعد میں سپریم کورٹ کی گیارہ رکنی بنچ نے ۲۰۰۲ء میں ''ٹی ایم اے پائی کیس'' میں فیصلہ سنا دیا۔ اس فیصلے میں معزز بنچ نے صراحت کے ساتھ یہ بات کہی: ''اگر کسی اقلیتی ادارے کو حکومت امداد دینے لگے تو اس امداد سے مذکورہ ادارے کا اقلیتی کردار ختم نہیں ہوجاتا چنانچہ امداد حاصل کرنے والے اقلیتی ادارے کو بھی یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اس اقلیت سے متعلق طلباء کو (ترجیحی بنیادوں پر) داخلہ دے سکے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہوگا کہ دیگر (غیر اقلیتی) طلباء کی بھی ایک معقول تعداد کو داخلہ دیا جائے۔ (۹) حکومت کو چاہئے تھا کہ اس فیصلے کے سامنے آجانے کے بعد جامعہ کے اقلیتی ادارہ ہونے کا اعلان کردیتی۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ البتہ ۳ر اپریل ۲۰۰۶ء کو ''وزارت فروغ انسانی وسائل'' (MHRD) نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کو ایک مراسلہ ارسال کیا۔ (حوالہ D.O. No. F-612006-Desk(U)) مذکورہ مراسلے میں جامعہ ملیہ اسلامیہ سے کہا گیا تھا کہ مسلمان اقلیت سے تعلق رکھنے والے طلباء کو کم از کم پچاس فیصد داخلے دیئے جائیں۔ حکومت کے اس مراسلے پر کوئی کارروائی نہیں کی گئی اور نہ اسے جامعہ کی اکیڈمک کونسل (AC) اور ایگزیکیٹو کونسل (EC) کے علم میں لایا گیا۔ (۱۰) ۲۰۰۶ء میں جامعہ ٹیچرز ایسوسی ایشن، جامعہ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن اور جامعہ اسٹوڈنٹس یونین نے قومی اقلیتی کمیشن (برائے تعلیم) (NCMEI) کی خدمت میں الگ الگ درخواستیں پیش کرکے گزارش کی کہ جامعہ کو اقلیتی ادارہ قرار دیا جائے نیز جامعہ کے ذمہ داران کو ہدایت دی جائے کہ ہر تعلیمی کورس میں کم از کم پچاس فیصد سیٹیں مسلمان طلباء کے لئے مختص کریں اس لئے کہ مسلمان بحیثیت ملت تعلیمی اعتبار سے پسماندہ ہیں۔ (۱۱) ۱۴ر مئی ۲۰۰۸ء کو وائس چانسلرز کی میٹنگ میں (HRD) وزیر جناب ارجن سنگھ نے یہ اعلان کیا کہ جامعہ کے منفرد تاریخی کردار کے پیش نظر جامعہ ملیہ اسلامیہ میں اوبی سی ریزرویشن کا نفاذ نہیں ہوگا اس لئے کہ جامعہ اس قانون کے دائرے میں نہیں آتی۔ (۱۲) مذکورہ بالا درخواستوں پر سماعت کے دوران حکومت ہند کی جانب سے جوائنٹ سکریٹری جناب سنیل کمار نے ۴ر اکتوبر ۲۰۰۶ء کو قومی اقلیتی کمیشن (برائے تعلیمی) (NCMEI) کے سامنے اپنا موقف درج ذیل الفاظ میں پیش کیا: ''ایک ایسا ہی معاملہ، جو ایک اور مرکزی یونیورسٹی یعنی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار سے متعلق ہے، اس وقت سپریم کورٹ میں زیر غور ہے۔ ''یونیورسٹی کے قیام'' کی اصطلاح کا جو مفہوم ''عزیز باشا کیس'' میں متعین کیا گیا تھا اسے چیلنج کیا گیا ہے۔ اس معاملے میں سپریم کورٹ کی ہدایات کا اثر جامعہ کے معاملے پر بھی پڑے گا''۔

اب عجیب بات ہے کہ وہی جوائنٹ سکریٹری (سنیل کمار صاحب) جو ایک طرف یہ کہتے ہیں: ''معاملہ عدالت میں ہے اس لئے کوئی کارروائی نہ کی جائے'' وہیں دوسری طرف (HRD) وزیر کے موقف کے بالکل خلاف) جامعہ کو (۷ر جولائی ۲۰۰۸ء) کو یہ خط لکھتے ہیں کہ جامعہ میں اوبی سی ریزرویشن لاگو کردیا جائے۔ یہ تضاد بدنیتی کی دلیل ہے اور خود وزارت ایچ آر ڈی کے صاف اعلان کے بھی خلاف ہے۔ (۱۳) اب سچر کمیٹی رپوٹ نے مسلمانوں کے تعلیمی حالات کو بالکل واضح کردیا ہے۔ رپورٹ کے مطابق تکنیکی و پروفیشنل تعلیم میں مسلمانوں کا حصہ برائے نام ہے۔ چنانچہ وقت کی اہم ضرورت یہ ہے کہ مسلمانوں کی تعلیمی حالت بہتر بنائی جائے اور خود مسلمانوں کے قائم کردہ اداروں سے مسلمانوں کو پورا پورا فائدہ اٹھانے دیا جائے۔ (۱۴) بعض ناعاقبت اندیش عناصر کی یہ کوشش معلوم ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح حکومت کے نئے قانون ''سنٹرل ایجوکیشنل انسٹی ٹیوشن ایکٹ ۲۰۰۶ء'' (CEI) کو جامعہ میں نافذ کردیا جائے۔ جبکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر یہ ایکٹ جامعہ میں نافذ ہوگیا تو جامعہ کا ''اقلیتی کردار'' کسی طرح باقی نہیں رہ سکتا اور مسلمان طلباء کے حقوق بالکل ہی ختم ہوجائیں گے۔ جو لوگ اس ایکٹ کو جامعہ میں نافذ کرانا چاہتے ہیں ان کی یہ روش انتہائی افسوسناک ہے اور جامعہ کے مستقبل کے بارے میں اندیشے پیدا کرتی ہے۔ (۱۵) (g)-CEI,Act-2006 4 میں صراحت کے ساتھ یہ بات کہی گئی ہے کہ اس ایکٹ میں مذکورہ ریزرویشن کا اطلاق اقلیتی تعلیمی اداروں'' پر نہیں ہوگا۔ رہی بات کہ کون سے ادارے ''اقلیتی تعلیمی ادارے'' سمجھے جائیں گے تو اس سلسلے میں مذکورہ ایکٹ کی دفعہ ۲ (و) میں بتایا گیا ہے: ''اقلیتی تعلیمی اداروں'' سے مراد وہ ادارے ہیں جو دستور کی دفعہ ۳۰ (الف) کے تحت کسی اقلیت کے قائم کردہ اور زیر انتظام ہوں، اور ان کی ''اقلیتی ادارے ہونے کی حیثیت'' کو پارلیمنٹ کے ایکٹ کے ذریعے یا مرکزی حکومت کے اعلان کے ذریعے یا ''قومی کمیشن برائے اقلیتی تعلیم ایکٹ ۲۰۰۴ء'' (NCMEI) کے ذریعے تسلیم کیا گیا ہو''۔ (۱۶) ۲۳ر دسمبر کو جامعہ ٹیچرز ایسوسی ایشن نے جناب عبدالرحمن انتولے (وزیر اقلیتی امور) کی خدمت میں ایک تحریری عرضداشت پیش کی جس میں مطالبہ کیا گیا کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سلسلے میں واضح الفاظ میں اعلان کیا جائے کہ یہ مسلم اقلیتی ادارہ ہے اور وہ تمام اقدامات جو اوبی سی ریزرویشن کو جامعہ میں نافذ کرنے کے لئے پیش نظر ہیں، فوراً روک دیئے جائیں۔ یہ مطالبہ بھی کیا گیا کہ جامعہ کی تدریسی ملازمتوں میں ایس سی، ایس ٹی ریزرویشن کا اضافی نفاذ نہ کیا جائے۔ ان حقائق کے سامنے آجانے کے بعد شرکائے سیمینار نے اس اندیشے کا اظہار کیا کہ اگر اس نازک موقع پر بھی ہم بیدار نہیں ہوئے تو مسلمانوں کا ایک اور اثاثہ خدانخواستہ ان کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم سب غفلت سے باز آجائیں اور جامعہ کے تاریخی اقلیتی مسلم کردار کی بحالی کے لئے سرگرم عمل ہوجائیں۔

آخر میں حسب ذیل قراردادیں بالاتفاق عموم منظور کی گئیں:

(۱) یہ سیمینار مطالبہ کرتا ہے کہ ''سنٹرل ایجوکیشنل انسٹی ٹیوشن ایکٹ ۲۰۰۶ء'' جامعہ میں نافذ نہ کیا جائے (کیونکہ اس قانون کا اطلاق اقلیتی تعلیمی اداروں پر نہیں ہوتا)۔ (۲) یہ اجلاس حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ واضح الفاظ میں جامعہ کے اقلیتی ادارہ ہونے کا اعلان کرے۔ (۳) یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ جامعہ کے تمام اقلیتی کورسیز میں کم از کم پچاس فیصد سیٹیں مسلمان طلباء کے لئے مختص کی جائیں۔ (۴) یہ اجلاس جامعہ انتظامیہ سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ کوئی ایسا اقدام نہ کرے جو جامعہ کے اقلیتی کردار کو نقصان پہنچانے والا ہو۔

ریلویز کی موبائل ہیلپ لائن

نئی دہلی۔ ریلویز نے موبائل ہیلپ لائن شروع کی ہے۔ اس موبائل ہیلپ لائن کا نمبر 155210 ہے۔ اس نمبر پر ریلویز کے وجی لینس افسران دن رات ہفتے میں ساتوں دن دستیاب ہوں گے۔ ریلوے کے ملازموں کے خلاف رشوت اور بدعنوانی کی شکایتیں اس نمبر پر درج کرائی جاسکتی ہیں۔

فکر معاصر

جمہوریت کا منفی پہلو

ہندوستان میں رفتہ رفتہ جمہوری نظام کمزور پڑتا جارہا ہے جس کا خواب ہمارے ان لیڈروں نے دیکھا تھا جنہوں نے ملک کو برطانوی استعماریت پسندی سے آزاد کرایا تھا انہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوگا کہ جمہوریت کا اتنا غلط استعمال بھی ہوسکتا ہے کہ سیاسی پارٹیاں غنڈوں لفنگوں کو ٹکٹ دے کر انہیں رکن اسمبلی اور رکن پارلیمنٹ بنائیں اور پھر وہ ظلم اور تشدد کا ایک بازار گرم کریں جسے چاہیں ماریں پیٹیں جسے چاہیں قتل کریں۔ صاحب اقتدار پارٹی میں ہونے کی وجہ سے پولیس بھی ان کے حکم کی تعمیل کرتی ہے اور کوئی بھی ان کے خلاف کچھ نہیں کرتا یہاں تک کہ جو پارٹی اقتدار میں ہوتی ہے اس کا سربراہ بھی اسے بچانے کی کوشش کرتا ہے حالانکہ وہ صریحاً قاتل ہوتا ہے۔ ایک نہیں بلکہ اس طرح کے واقعات ہر دن ہوتے رہتے ہیں اور اس کا دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ اقتدار میں جو پارٹی ہوتی ہے اس کا سربراہ خود ہی اپنے اراکین اسمبلی اور پارلیمنٹ کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کیوں کہ جمہوریت کے معنی اب عوام کی خدمت کرنا نہیں ہے بلکہ اپنی جیبیں بھرنا اپنی تجوریاں بھرنا اور عیش اور نشاط کی زندگی بسر کرنا ہے۔ بھوکے مرتے ہوئے عوام سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اگر تھوڑی بہت کوئی دلچسپی کا پہلو دکھائی بھی دے تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ وہ عوام کا ووٹ حاصل کرنے کے لئے ان کے زخموں پر مرہم نہیں رکھ رہے ہیں بلکہ ان کے کاسۂ دریوزہ گری میں بھیک ڈال رہے ہیں۔ خیرات دے رہے ہیں انداز بالکل یہی ہے کہ یہ عوام کے نمائندے عوام کے خادم نہیں ہیں بلکہ عوام کا استحصال کرتے ہیں۔ اترپردیش میں بی ایس پی کی حکومت ہے بی ایس پی نے اس بار پنڈتوں کو بھی ٹکٹ دیئے تھے جو ہمیشہ پنڈتوں کی مخالفت کرتی تھی اس نے اقتدار میں آنے کے لئے پنڈتوں کو ٹکٹ بانٹے تھے اور اب جب کہ پنڈت اسمبلی کے اراکین بن گئے تو انہوں نے ظلم وستم کا بازار گرم کیا چنانچہ بی ایس پی رکن اسمبلی شیکھر تیواری نے اوریا کے پی ڈبلوڈی انجینئر منوج گپتا سے پچاس لاکھ روپے مانگے۔ پچاس لاکھ روپے نہ دینے پر منوج گپتا کی شیکھر تیواری نے پٹائی کی اور اس پٹائی میں پولیس نے بھی بی ایس پی رکن اسمبلی کا ساتھ دیا۔ ظاہر ہے کہ اگر رکن اسمبلی نے ایک ڈنڈا مارا تو پولیس نے چار ڈنڈے مارے اور اسے کھینچتے ہوئے تھانے لے گئے جہاں اس کی موت ہوگئی حالاں کہ شیکھر تیواری کو گرفتار کرلیا گیا ہے لیکن اس کے خلاف کیا کارروائی ہوسکے گی۔ اس کا قطعی کوئی یقین نہیں ہے کیوں کہ ظاہر ہے کہ بی ایس پی اقتدار میں ہے اور بی ایس پی کی سربراہ مایاوتی یہ تو نہیں کرسکتیں کہ اپنے ہی رکن اسمبلی کو پھانسی پر چڑھا دیں ہاں یہ ضرور ہے کہ منوج گپتا کے وارثوں کو دو چار دس لاکھ روپیہ دے کر ان کا منھ بند کردیا جائے۔ کچھ دنوں کے بعد شیکھر تیواری کی ضمانت ہوجائے گی۔ الیکشن میں کون جیتے گا اور کون ہارے گا اور آخر کار یہی ہوگا کہ فائل بند کردی جائے گی ہندوستان میں جمہوریت کے یہی مزے ہیں حکومت غنڈوں کے ہاتھ میں ایسا نہیں ہے کہ صرف بی ایس پی ہی ایسی ہے سبھی سیاسی پارٹیاں کسی نہ کسی طور پر غنڈوں کو ٹکٹ دیتی ہیں اور وہی جیت کر پارلیمنٹ اور اسمبلی میں آتے ہیں۔ دوسرے معنوں میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ پارٹیوں کو اقتدار میں لانے کا کام یہی لوگ کرتے ہیں۔ اس معاملہ کا سب سے زیادہ المناک پہلو یہ ہے کہ عوام خود لیڈروں کے اس قدر عاشق ہوگئے ہیں کہ انہیں ان میں کوئی برائی نظر آتی ہی نہیں۔ گلی کوچے میں لیڈر گھوم رہے ہیں چوراہوں پر میٹنگ کررہے ہیں ہزاروں کی تعداد میں لوگ انہیں سننے جاتے ہیں۔ (انوار قوم، کانپور)

کرۂ ہوائی - ایک محفوظ چھت

طارق اقبال سوہدروی

بے شک قرآن سائنس کی کتاب نہیں ہے، مگر کئی سائنسی حقائق جو بعض مقامات پر انتہائی جامع اور کہیں اشارۃً بیان کئے گئے ہیں صرف بیسویں صدی کی ٹیکنالوجی اور سائنسی علوم کے فروغ کی مدد ہی سے ان کا مفہوم واضح ہوسکا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جوں جوں زمانے نے ترقی کی ہے ویسے ہی قرآن مجید کی حقانیت واضح ہوتی چلی گئی ہے۔ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی ایسی بے شمار نشانیاں موجود ہیں جن پر غور کرنے سے بآسانی انسان اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ اشیاء کو پیدا کرنے والی اور ان میں نظم وضبط برقرار رکھنے والی ضرور کوئی نہ کوئی ہستی موجود ہے جو اتنی بااختیار، علیم اور مقتدر ہے کہ ان تمام اشیاء پر کنٹرول کررہی ہے۔ ان میں سے ایک نشانی زمین کے اوپر کرہ ہوائی کا موجود ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی اس نشانی کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح کرتا ہے: ”اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنادیا مگر یہ ہیں کہ کائنات کی نشانیوں کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔“

وہ گیسیں جن سے کرۂ ہوائی بنتا ہے، ان کا کرہ ہوائی میں ارتکاز نہ صرف انسانوں کے وجود کے لئے بلکہ زمین پر بسنے والے تمام جانداروں کے لئے بے حد اہم ہے۔ کرۂ ہوائی میں جو گیسیں تشکیل پاتی ہیں وہ ایک خاص تناسب سے بنتی ہیں اور ان میں تبدیلی نہیں آتی اور ایسا بے شمار توازنات کے باہمی وجود کی بنا پر ممکن ہوا ہے۔

کرہ ہوائی میں چار بنیادی گیسیں پائی جاتی ہیں۔ نائٹروجن ۷۸ فیصد، آکسیجن، ۲۱ فیصد، ارگون (ایک بے رنگ وبے بو عنصر) ۱ فیصد سے بھی کم، اور کاربن ڈائی آکسائیڈ ۰٫۰۳ فیصد۔ کرۂ ہوائی کی ان گیسوں کو دو گروپوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ”وہ جو ردعمل کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہیں“ اور وہ ”جو ردعمل کے نتیجے میں پیدا نہیں ہوتیں۔“ ردعمل کے نتیجے میں پیدا ہونے والی گیسوں کا تجزیہ کرنے پر معلوم ہوا کہ جو ردعمل وہ پیدا کرتی ہیں وہ زندگی کے لئے لازمی ہے جب کہ ردعمل کے بغیر وجود میں آنے والی گیسیں ایسے مرکبات پیدا کرتی ہیں جو زندگی کے لئے تباہ کن ہیں۔ مثال کے طور پر ارگون اور نائٹروجن غیر فعال گیسیں ہیں۔ ان سے بہت محدود سے کیمیائی ردعمل پیدا ہوسکتے ہیں۔ تاہم اگر یہ آکسیجن کی مانند آسانی سے ردعمل پیدا کرسکتیں تو سمندر نائٹرک ایسڈ میں تبدیل ہوجاتے۔

دوسری طرف آکسیجن ہمارے کرۂ ہوائی میں سب سے زیادہ ردعمل پیدا کرنے والی گیس ہے۔ اس کرۂ ہوائی میں آکسیجن کا بہت زیادہ ارتکاز ایک ایسی صفت ہے جو نظام شمسی میں زمین کو ان دوسرے سیاروں سے ممیز کرتی ہے جن میں ذرا سی بھی آکسیجن موجود نہیں ہے۔

اگر کرہ ہوائی میں آکسیجن کی مقدار موجودہ مقدار سے زیادہ ہوتی تو اس سے تیزی کے ساتھ عمل تکسید پیدا ہوتا جس سے چٹانیں اور دھاتیں بہت جلد تباہ ہوجاتیں۔ اس کے نتیجے میں زمین میں کٹاؤ پیدا ہوجاتے جس سے یہ ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتی۔ اس سے جانداروں کو بڑا خطرہ لاحق ہوجاتا۔ اگر ہمارے پاس آکسیجن کچھ کم ہوتی تو سانس لینا مشکل ہوجاتا، اور ”اوزون گیس“ کم پیدا ہوتی۔ اوزون گیس کی مقدار میں تبدیلی زندگی کے لئے مہلک ثابت ہوتی۔ اوزون کی کمی کی وجہ سے سورج کی بالائے بنفشی شعاعیں زیادہ شدت کے ساتھ زمین تک پہنچتیں جس سے جاندار جل جاتے۔ اوزون گیس زیادہ ہوتی تو سورج کی گرمی کو زمین تک پہنچنے سے روکتی اور یہ بھی مہلک بات ثابت ہوتی۔

کاربن ڈائی آکسائیڈ کے بھی ایسے ہی نازک توازنات ہیں۔ پودے اس گیس کے ذریعے سورج کی شعاعوں کو جذب کرتے ہیں، اسے پانی کے ساتھ ملاتے ہیں اور بائی کاربونیٹ تشکیل دیتے ہیں۔ اس مادے سے چٹانیں پگھلتی ہیں اور سمندروں کے پانی میں حل ہوتی رہتی ہیں۔ علاوہ ازیں پودے اس گیس کو توڑتے بھی ہیں اور آکسیجن کو خارج کرکے دوبارہ واپس کرۂ ہوائی میں بھیجتے ہیں۔ یہ گیس دنیا بھر میں ”پودگھر کا اثر“ (Green House Effect) برقرار رکھنے میں بھی مدد دیتی ہے اور اپنے موجودہ درجہ حرارت میں تبدیلی نہیں آنے دیتی۔ اگر کاربن ڈائی آکسائیڈ کی مقدار کم ہوتی تو زمین پر اور سمندروں میں بائی کاربونیٹ کم ہوتی تو تیزابیت میں اضافہ ہوتا۔ کرۂ ہوائی میں کاربن ڈائی آکسائیڈ میں اضافے سے زمین کا کیمیائی کٹاؤ زیادہ ہوجاتا جس سے زمین کی تہہ میں نقصان دہ شورہ زیادہ جمع ہوجاتا۔ مزید یہ کہ پودگھر کا اثر بڑھنے سے زمین کا درجہ حرارت بھی زیادہ ہوجاتا اور نتیجتاً کرۂ ارض پر جانداروں کا وجود ناممکن ہوجاتا۔

جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ کرۂ ہوائی کی موجودگی زمین پر زندگی کے تسلسل کے لئے کس قدر ضروری ہے۔ تاہم کرۂ ہوائی کو برقرار رکھنے کے لئے بہت سے فلکی طبعی حالات کا باہم وجود ضروری ہے۔ مثلاً:

(۱) زمین کی سطح پر ایک معتدل درجہ حرارت کی موجودگی اشد ضروری ہے۔ اس کے لئے رب کائنات نے درج ذیل انتظامات کئے ہوئے ہیں:

اولاً زمین کو سورج سے ایک خاص فاصلے پر ہونا چاہئے۔ یہ فاصلہ سورج سے زمین تک پہنچنے والی گرمی کی توانائی کی مقدار میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ زمین کے مدار میں سورج کے گرد گردش میں ذرہ برابر فرق آجائے۔ خواہ یہ زیادہ قریب آجائے یا کچھ اور دور ہوجائے تو اس گرمی میں جو سورج سے زمین تک پہنچ رہی ہے بہت فرق آجائے گا۔ اس حوالے سے حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ سورج سے جو گرمی زمین پر پہنچ رہی ہے اس میں ۱۳ فیصد کمی آجائے تو زمین پر ایک ایسی برف کی تہہ جمع ہوجائے جو ۱۰۰۰ میٹر دبیز اور موٹی ہوگی۔ دوسری طرف توانائی میں معمولی سا اضافہ جانداروں کو جھلسا کر رکھ دے گا۔

ثانیاً پورے کرۂ ارض پر درجہ حرارت یکساں ہونا چاہئے۔ اس کے لئے زمین کو اپنے محور کے گرد ایک خاص رفتار کے ساتھ گردش کرنا ہوگی (۱۶۷۰ کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے خط استوا پر) اگر زمین کی گردش کی رفتار اپنی حد سے معمولی سی بھی بڑھ گئی تو کرۂ ہوائی بے حد گرم ہوجائے گا جس سے گیس کے سالموں کی شرح رفتار بڑھ جائے گی اور وہ زمین کی فضا سے نکل جائیں گے اور کرۂ ہوائی خلا میں منتشر ہوکر غائب ہوجائے گا۔

ثالثاً زمین کے محور کا ۲۳٫۲۷ درجے جھکاؤ قطبین اور خط استوا کے درمیان زیادہ گرمی کو روکتا ہے ورنہ کرۂ ہوائی کی تشکیل میں رکاوٹ پیدا ہوسکتی تھی۔ اگر یہ جھکاؤ موجود نہ ہوتا تو قطبی علاقوں اور خط استوا کے درمیان درجہ حرارت کا فرق کئی گنا بڑھ جاتا ہے اور پھر زندگی کا وجود یہاں ناممکن ہوکر رہ جاتا۔

(۲) پیدا شدہ گرمی یا حرارت کو منتشر ہونے سے بچانے کے لئے ایک تہہ کی ضرورت ہے: زمین کے درجہ حرارت کو ایک ہی جگہ قائم رکھنے کے لئے درجہ حرارت کے ضیاع سے بچنا ضروری تھا، بالخصوص راتوں کے وقت۔ اس کے لئے ایک ایسے مرکب کی ضرورت تھی جو کرۂ ہوائی سے گرمی کے ضیاع کو روک سکے۔ یہ ضرورت کاربن ڈائی آکسائیڈ کے ذریعہ پوری کی گئی ہے۔ کاربن ڈائی آکسائیڈ زمین کو ایک غلاف کی مانند ڈھانپے ہوئی ہے جو خلا کی طرف گرمی کے ضیاع کو روکتی ہے۔

(۳) زمین پر کئی تہیں ایسی ہیں جو قطبین اور خط استوا کے درمیان گرمی کے توازن کو برقرار رکھے ہوئے ہیں:

قطبین اور خط استوا کے درمیان گرمی کا تفاوت ۱۲۰ سینٹی گریڈ ہے۔ اگر گرمی کا ایسا ہی فرق زیادہ چپٹی سطح پر موجود ہوتا تو کرۂ ہوائی میں شدید حرکت آجاتی اور تند طوفان ۱۰۰۰ کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے چل کر دنیا کو تہہ وبالا کردیتے۔ ان طوفانوں کی وجہ سے کرۂ ہوائی میں موجود توازن بگڑ کر بکھر جاتا۔

تاہم زمین پر نشیب وفراز ہیں جو ان طاقتور، ہوائی لہروں کو روکتے ہیں جو گرمی کے فرق کی وجہ سے پیدا ہوسکتی تھیں۔ یہ نشیب وفراز کوہ ہمالیہ سے شروع ہوتے ہیں جو برصغیر ہندوپاک اور چین کے درمیان واقع ہے۔ یہ سلسلہ اناطولیہ میں واقع Taurus Mountains تک چلا جاتا ہے اور پھر ان سلسلوں کے ذریعے جو مغرب میں بحر اوقیانوس اور مشرق میں بحرالکاہل کو آپس میں ملاتا ہے، یہ پہاڑی سلسلہ یورپ میں کوہ ایلپس تک جا پہنچتا ہے۔ سمندروں میں جو فالتو گرمی خط استوا پر پیدا ہوتی ہے وہ سیال مادوں کے خواص کی وجہ سے شمال اور جنوب کی طرف موڑ دی جاتی ہے۔ اس طرح گرمی کے تفاوت میں توازن برقرار ہوجاتا ہے۔

جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ ہوا کی موجودگی، جو زندگی کے لئے ایک بنیادی ضرورت ہے صرف اس صورت میں ممکن ہے جب ہزاروں طبعی اور ماحولیاتی توازن قائم کئے گئے ہوں۔ زمین پر زندگی کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے لئے ان حالات کا صرف ہمارے سیارے پر موجود ہونا کافی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر سورج کے بجائے کوئی اور زیادہ چھوٹا ستارہ زمین کو نہایت سرد بنادے گا اور ایک بڑا ستارہ زمین کو جھلسا دے گا۔

خلا میں ایسے ستاروں پر نظر ڈالنا کافی ہے جہاں زندگی کے آثار نہیں ہیں تاکہ یہ بات سمجھ لی جائے کہ یہ زمین کسی الل ٹپ اتفاق سے وجود میں نہیں آئی۔ وہ حالات جو زندگی کے لئے لازمی ہیں، اس قدر پیچیدہ ہیں کہ ”از خود“ اور الل ٹپ وجود میں آ ہی نہیں سکتے اور یقیناً نظام شمسی میں زمین ہی بطور خاص زندگی کے لئے تخلیق کی گئی ہے۔

علاوہ ازیں کرہ ہوائی ہمیں شہاب ثاقب زمین پر اور دوسرے سیاروں پر گرتے رہتے ہیں۔ یہ شہاب ثاقب جو بہت بڑے بڑے گڑھے پیدا کردیتے ہیں زمین کو نقصان کیوں نہیں پہنچاتے، اس کا سبب یہ ہے کہ کرہ ہوائی گرنے والے شہاب ثاقب پر بہت مضبوط رگڑ پیدا کرتا ہے۔ وہ اس رگڑ کو زیادہ دیر تک برداشت نہیں کرسکتے اور جل جانے کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ زیادہ بڑی تباہی سے بچاؤ کی صورت نکل آتی ہے اور یہ سب کچھ کرۂ ہوائی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

زمین کا مقناطیسی میدان

کرہ ہوائی میں اس کے علاوہ ایک مقناطیسی میدان پایا جاتا ہے جو زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ کرۂ ہوائی کی سب سے اوپر والی تہہ ایک مقناطیسی زون سے بنی ہوئی ہے جسے ”وین ایلن پٹی (Van Allen Belf)“ کہتے ہیں۔ زمین کے قلب (Core) یا کوکھ کی خصوصیات سے یہ مون تشکیل پاتا ہے۔ ایک لہر سورج سے نسبتاً کم رفتار کے ساتھ نکلتی ہے جو تقریباً ۴۰۰ کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر کرتی ہے، اسے ”شمسی ہوا“ کہتے ہیں۔ ان شمسی ہواؤں کو یہ تہہ کنٹرول کرتی ہے جسے وان ایلن تابکاری پٹی (Van Allen Belt) کہتے ہیں جو زمین کے مقناطیسی میدان کے اثر سے پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ دنیا کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتی۔

اس تہہ کی تشکیل کرۂ ارض کی کوکھ کی خصوصیات سے ممکن ہوئی۔ یہ کوکھ اپنے اندر مقناطیسی دھاتیں مثلاً لوہا اور نکل رکھتی ہے۔ زمین کا مرکز (Nucleus) دو مختلف اجسام سے مل کر بنا ہوا ہے۔ اس کے اندر کا حصہ ٹھوس اور باہر کا سیال ہوتا ہے۔ قلب یا کوکھ کی دونوں تہیں ایک دوسرے کے گرد گھومتی ہیں۔ اس حرکت سے دھاتوں میں ایک مقناطیسی اثر پیدا ہوتا ہے جو مقناطیسی میدان کو تشکیل دیتا ہے جو زمین سے ایک طرف سورج کی سمت میں ۸۴٫۰۰۰ کلومیٹر تک پھیلا ہوا ہے۔ جب کہ دوسری سمت میں تین لاکھ کلومیٹر تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ مقناطیسی میدان ان خطرات سے زمین کو محفوظ رکھتا ہے جن کا خلا کی طرف سے خدشہ رہتا ہے۔

شمسی ہوائیں مذکورہ پٹی میں سے نہیں گزر سکتیں، جب شمسی ہوائیں ذرات کی بارش کی شکل میں اس مقناطیسی میدان سے ملتی ہیں تو تحلیل ہوکر اسی پٹی کے گرد بہنے لگتی ہیں۔ وان ایلن پٹی دو حصوں پر مشتمل ہے۔ اندرونی حصہ زمین سے ۴۰۰ سے ۱۲۰۰ کلومیٹر سے شروع ہوکر ۱۰٫۰۰۰ کلومیٹر تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کا انتہائی قوت والا حصہ ۳۵۰۰ کلومیٹر پر واقع ہے۔ جب کہ دوسرا حصہ یا پٹی ۱۰٫۰۰۰ سے ۸۴٫۰۰۰ کلومیٹر تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی بھرپور قوت والا حصہ زمین کی سطح سے ۱۶۰۰۰ کلومیٹر پر واقع ہے۔

یہ پٹیاں اس قدر انتہائی زیادہ برقی چارج کے حامل ذرات پر مشتمل ہیں کہ اگر ان کی زد میں خلائی جہاز آجائے تو وہ بھی تباہ ہوجائے گا۔ ان دونوں پٹیوں کے درمیان محفوظ ترین خطہ ۹۰۰۰ سے ۱۱۰۰۰ کلومیٹر کے درمیان خیال کیا جاتا ہے۔

اگر یہ پٹیاں نہ ہوتیں تو سورج سے نکلنے والی انرجی، جو بکثرت خارج ہوتی رہتی ہے روئے زمین پر زندگی کا بالکل خاتمہ کردیتی۔ یہ چونکہ زبردست ہیجان کے ساتھ لپکتی ہے اس لئے اسے ”سورج کے شعلے“ (Solar Flares) کہا جاتا ہے۔ حالیہ برسوں کی تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ ان شعلوں کا درجہ حرارت ۲۰ لاکھ سے ایک کروڑ ۳۳ لاکھ سینٹی گریڈ تک ہوتا ہے۔

سائنس دانوں کی تحقیق کے مطابق زمین کے اوپر ہماری فضا یعنی کرہ ہوائی مجموعی طور پر سات تہوں پر مشتمل ہے۔ جس نے ہماری زمین کو کمبل کی طرح گھیرا ہوا ہے، اس کا پھیلاؤ زمین کی سطح سے خلا تک ۱۲۸۰ کلومیٹر تک ہے۔ سورج کی روشنی وحرارت، کرہ ہوائی اور ہماری زمین کے مقناطیسی میدان نے ہی زمین پر جانداروں کی زندگی کو ممکن بنایا ہے یا دوسرے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کے انہی انتظامات کی بدولت زمین پر زندگی رواں دواں ہے۔ کرہ ہوائی سورج کی حرارت کو جذب کرتا ہے۔ پانی اور دوسرے کیمیاوی عوامل کا چکر چلاتا ہے۔ اسی کی بدولت موسم بدلتے اور بارشیں ہوتی ہیں۔ ہم سورج کی الٹراوائلیٹ شعاعوں سے بچتے ہیں اور اسی کی بدولت ہم ریڈیو اور ٹی وی وغیرہ کی نشریات سنتے اور دیکھتے ہیں۔

کرہ ہوائی بنیادی طور پر چار حصوں پر مشتمل ہے۔

ٹروپوسفیئر (Tropospher) یہ زمین کی سطح سے شروع ہوتا ہے اور فضا میں ۸ سے ۱۷ کلومیٹر تک پھیلا ہوا ہے۔ کرہ ہوائی کی یہ تہہ بہت کثیف اور گاڑھی ہے۔ اگر آپ زمین سے اوپر کی طرف چڑھتے چلے جائیں تو آپ کو اس کا درجہ حرارت کم ہوتا معلوم ہوگا۔ اس تہہ کے اندر درجہ حرارت ۱۷ سے منفی ۵۲ سینٹی گریڈ تک گر جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسی تہہ میں سب موسم جنم لیتے ہیں، بادلوں کی تمام قسمیں اسی تہہ میں واقع ہوتی ہیں۔ یہ زمین سے اٹھنے والے آبی بخارات کو گاڑھا کرکے پانی کی شکل دیتی ہے اور وہ بارش کی شکل میں زمین پر واپس آجاتے ہیں۔ اس تہہ کا ایک چھوٹا سا حصہ جسے ٹروپوپاز (Tropopause) کہتے ہیں، ٹروپوسفیئر کو کرہ ہوائی کی اگلی تہہ سے الگ کرتا ہے۔

اسٹریٹوسفیئر (Stratosphere)۔ یہ ٹروپوسفیئر کے بالکل اوپر والی تہہ ہے جو ۵۰ کلومیٹر تک پھیلی ہوئی ہے۔ یہ ٹروپوسفیئر کی نسبت کم کثیف اور خشک فضا رکھتی ہے۔ اس حصے میں درجہ حرارت بتدریج بڑھنے لگتا ہے اور یہ تین سینٹی گریڈ تک ہوجاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسی تہہ کے اوپر والے حصے میں اوزون کی ایک باریک سی پٹی پائی جاتی ہے جو سورج کی طرف سے آنے والی خطرناک شعاعوں اور بالائے بنفشی شعاعوں کو منعکس کردیتی ہے۔

یہ شعاعیں سخت نقصان دہ تابکاری پر مشتمل ہوتی ہیں، اگر یہ ان کو منعکس نہ کریں تو اس سے جانداروں کو سخت نقصان پہنچ سکتا ہے اوزون کی تہہ جو زمین کو گھیرے ہوئے ہے نقصان دہ بالائے بنفشی شعاعوں کو زمین تک پہنچنے سے روکتی ہے۔ ان شعاعوں میں اس قدر توانائی ہوتی ہے کہ وہ اگر زمین تک پہنچ جائیں تو تمام جانداروں کو ہلاک کر ڈالیں۔ زمین پر زندگی کو ممکن بنانے کے لئے اوزون کی یہ تہہ ایک اور بطور خاص تخلیق کیا ہوا حصہ ہے آسمان کی محفوظ چھت کا۔

اوزون آکسیجن سے پیدا ہوتی ہے۔ آکسیجن گیس کے (O_2) سالموں میں آکسیجن کے دو ایٹم ہیں۔ اوزون گیس کے (O_3) سالموں میں تین آکسیجن ایٹم ہیں۔ وہ بالائے بنفشی شعاعیں جو سورج سے آتی ہیں آکسیجن کے سالمے میں ایک اور ایٹم کا اضافہ کرکے اوزون سالمہ تشکیل دے دیتی ہیں۔ اوزون کی تہہ جو بالائے بنفشی شعاعوں کے عمل سے بنتی ہے مہلک بالائے بنفشی شعاعوں کو قابو میں کرلیتی ہے اور یوں زمین پر زندگی کے لئے مطلوبہ حالات کی بنیادی ضرورت پوری ہوجاتی ہے۔ ۹۹ فیصد ہوا سٹریٹوسفیئر اور ٹروپوسفیئر میں پائی جاتی ہے۔ سٹریٹوپاز (Stratospause) سٹریٹوسفیئر و اگلی تہہ سے الگ کرتی ہے۔

میزوسفیئر (Mesosphere)۔ سٹریٹوسفیئر کے اوپر والی تہہ کو میزوسفیئر (Mesosphers) کہا جاتا ہے۔ یہ اوپر فضا میں ۸۰ کلومیٹر تک پھیلی ہوئی ہے، یہاں درجہ حرارت بتدریج کم ہوتے ہوتے منفی ۹۳ سینٹی گریڈ تک پہنچ جاتا ہے۔ اس تہہ میں کیمیاوی عناصر سورج کی حرارت کو جذب کرنے کی وجہ سے کافی سرگرم ہوتے ہیں۔ میزوپاز (Mesopause) اس تہہ کو تھرموسفیئر (Thermosphere) سے الگ کرتی ہے۔

تھرموسفیئر (Thermosphere)۔ یہ ۱۲۸۰ کلومیٹر تک بلند ہے۔ اس حصے میں سورج کی حرارت وجہ سے درجہ حرارت بتدریج بڑھتے ہوئے ۱۷۲۷ سینٹی گریڈ تک پہنچ جاتا ہے۔ یہاں پر کیمیاوی عوامل زمین کی سطح نسبت بڑی تیزی سے عمل پذیر ہوتے ہیں۔ اسی حصے کو سائنس دان بالائی کرہ ہوائی کہتے ہیں۔ آئنوسفیئر (Ionoshpere) اور ایکسپوسفیئر (Exposphere)، تھرموسفیئر کا ہی حصہ ہیں (بعض سائنس داں ان کو الگ الگ بھی بیان کرتے ہیں نیز ان کی ترتیب میں بھی اختلاف رائے پایا جاتا ہے مگر ان کے افعال کی نوعیت پر سب متفق ہیں) آئنوسفیئر ۶۴۰ کلومیٹر تک بلند ہے، یہی تہہ سورج کی روشنی کے ذرات فوٹانز کو جذب کرتی ہے اور زمین پر نشر ہونے والی ریڈیائی لہروں کو واپس زمین پر منعکس کردیتی ہے۔ جس کی وجہ سے ہمارے لئے یہ ممکن ہوجاتا ہے کہ ہم ریڈیو، ٹی وی اور وائرلیس کی نشریات کو دور دور تک بھیج سکیں۔

آئنوسفیئر سے اوپر والا تمام حصہ ایکسوسفیئر (Exosphers) کہلاتا ہے۔ یہ ۱۲۸۰ کلومیٹر تک بلند ہے اس کے بعد یہ اوپر خلا کے ساتھ شامل ہوجاتا ہے۔

زمینی فضا کا یہ کردار یہیں تک محدود نہیں۔ یہ زمین کو یخ سردی سے ٹھٹھر کر مردہ ہوجانے سے بھی محفوظ رکھتی ہے۔ خلا کی یہ سردی ”منفی ۲۷۰“ درجہ سینٹی گریڈ تک ہوتی ہے۔

مختصراً ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اگر زمین میں مقناطیسی میدان تشکیل دینے کی خاصیت نہ ہوتی اور کرہ ہوائی کا ایک ڈھانچہ نہ ہوتا، نہ کثافت ہوتی جو ضرر رساں شعاعوں کو چھان لیتی ہے تو پھر زمین پر زندگی کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ بیشک یہ کسی بھی انسان کے لئے ممکن نہیں کہ وہ اس قسم کی تنظیم وترتیب پیدا کرلے۔ یہ بات واضح ہے کہ اللہ نے یہ ساری مدافعتی خاصیتیں تخلیق کی ہیں جو انسانی زندگی کے لئے بے حد ضروری تھیں اور اسی نے آسمان تخلیق کیا اور اسے ایک محفوظ چھت کی صورت بخشی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر یہ لوگ گزرتے رہتے ہیں اور ان کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔“ (یوسف: ۱۰۵)

ایک جگہ فرمایا: ”آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا انسانوں کو پیدا کرنے کی بہ نسبت یقیناً زیادہ بڑا کام ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔“ (المومن: ۵۷)

دوسرے سیاروں کو یہ محفوظ چھت حاصل نہیں ہے۔ یہ اس بات کی جانب ایک اور اشارہ ہے کہ اس زمین کو بطور خاص انسانی زندگی کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر مریخ سیارے کا پورا قلب ٹھوس ہے اور اس کے گرد کوئی مقناطیسی ڈھال نہیں ہے۔ مریخ چونکہ اتنا بڑا نہیں ہے جتنی یہ زمین، نہ ہی قلب کے سیال حصے کو تشکیل دینے کے لئے کافی دباؤ پیدا کیا گیا ہے۔

مزید یہ کہ صرف موزوں اور درست سائز کا ہونا ہی سیارے کے گرد مقناطیسی میدان کی تشکیل کے لئے کافی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر وینس کا قطر اتنا ہے جتنا زمین کا۔ اس کی کمیت (Mass) زمین کی کمیت سے صرف ۲ فیصد کم ہے اور اس کا وزن کم وبیش اتنا ہی ہے جتنا زمین کا۔ اس لئے دباؤ اور دوسرے اسباب کے حوالے سے یہ ناگزیر ہے کہ ایک دھاتی سیال حصہ وینس سیارے کے قلب کو تشکیل دے دے۔ تاہم وینس کے گرد کوئی مقناطیسی میدان نہیں ہے جس کا سبب یہ ہے کہ زمین کے مقابلے میں وینس کی گردشی رفتار کم ہے۔ زمین اپنے محور کے گرد پورا چکر ایک دن میں لگاتی ہے جب کہ وینس کو اس کے لئے ۲۴۳ روز درکار ہوتے ہیں۔

چاند اور دوسرے ہمسایہ سیاروں کے سائز اور زمین سے ان کے فاصلے بھی مقناطیسی میدان کی موجودگی کے لئے ضروری ہیں جو زمین کے لئے ”محفوظ چھت“ بناتے ہیں۔ اگر ان سیاروں میں سے کوئی ایک اپنے اصل سائز سے بڑا ہوتا تو اس سے اس میں زیادہ کشش ثقل پیدا ہوگئی ہوتی۔ کوئی ہمسایہ سیارہ جس میں اس قدر زیادہ کشش ثقل ہو، سیال شے کی شرح رفتار اور زمین کے قلب کے ٹھوس حصوں کو تبدیل کردے گا۔ اور ایک مقناطیسی میدان کو اس کی موجودہ شکل میں تشکیل نہیں ہونے دے گا۔

مختصر یہ کہ زمین کے اوپر زبردست حفاظتی نظام قائم ہے۔ جو کرۂ ارض کو بیرونی خطرات سے بچا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنایا ہے، جدید سائنس نے اس پر تصدیق کی مہر ثبت کردی ہے اور اس میں اہل عقل ودانش کے لئے ایک واضح پیغام پنہاں ہے کہ وہ غور وفکر کریں کہ یہ کیسے ممکن ہوا کہ جس حفاظتی نظام کے بارے میں سائنس دانوں کو حال ہی میں پتہ چلا ہے اس کا ذکر قرآن مجید میں صدیوں پہلے سے موجود تھا اور یہ بھی قرآن مجید کی سچائی کا ایک واضح ثبوت ہے کہ قرآن مجید میں ان معلومات کے موجود ہونے کے باوجود کسی مفسر یا عالم نے ان باتوں کا ذکر نہیں کیا اس لئے کہ یہ سب باتیں ۱۴۰۰ سو سال سے انسان کی سمجھ سے بالاتر تھیں تا آنکہ سائنس کی بدولت یہ سب راز ہم پر منکشف ہوئے اور یہی بات قرآن مجید کے منجانب اللہ تعالیٰ ہونے کا ایک ناقابل تردید ثبوت فراہم کرتی ہے۔ اس لئے کہ ان سب معلومات کا قرآن مجید کے نزول کے وقت کسی فرد کے پاس ہونا ناممکن تھا۔

> مختصراً ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اگر زمین میں مقناطیسی میدان تشکیل دینے کی خاصیت نہ ہوتی اور کرۂ ہوائی کا ایک ڈھانچہ نہ ہوتا، نہ کثافت ہوتی جو ضرر رساں شعاعوں کو چھان لیتی ہے تو پھر زمین پر زندگی کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ بیشک یہ کسی بھی انسان کے لئے ممکن نہیں کہ وہ اس قسم کی تنظیم وتربیت پیدا کرلے۔ یہ بات واضح ہے کہ اللہ نے یہ ساری مدافعتی خاصیتیں تخلیق کی ہیں جو انسانی زندگی کے لئے بے حد ضروری تھیں اور اسی نے آسمان تخلیق کیا اور اسے ایک محفوظ چھت کی صورت بخشی۔

> مختصر یہ کہ زمین کے اوپر زبردست حفاظتی نظام قائم ہے۔ جو کرۂ ارض کو بیرونی خطرات سے بچا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنایا ہے، جدید سائنس نے اس پر تصدیق کی مہر ثبت کردی ہے اور اس میں اہل عقل ودانش کے لئے ایک واضح پیغام پنہاں ہے کہ وہ غور وفکر کریں کہ یہ کیسے ممکن ہوا کہ جس حفاظتی نظام کے بارے میں سائنس دانوں کو حال ہی میں پتہ چلا ہے اس کا ذکر قرآن مجید میں صدیوں پہلے سے موجود تھا۔

آخر کار امریکہ، امریکی فوجیوں کے عراق میں قیام کو ۲۰۱۱ء تک طول دینے میں کامیاب ہوہی گیا۔ رواں برس دونوں حکومتوں میں فوجیوں کے انخلاء کا معاملہ زیر غور تھا۔ عراق کے عوام اور گروپوں کو اس معاہدے پر شدید اختلاف تھا۔ وہ امریکہ سے اب مزید کسی معاہدے کے حق میں نہیں تھے۔ اس معاہدے سے عراقی حکومت کو باز رکھنے کے لئے عراق کے گروہوں نے بھرپور احتجاج کیا، عوامی مظاہرے بھی کئے، جس کی وجہ سے ایک مرحلہ ایسا آیا جس پر توقع کی جارہی تھی کہ عراق کی حکومت عراقی گروہوں اور عوام کی خواہشات سے اختلاف کرتے ہوئے یہ معاہدہ نہیں کرے گی۔ مگر یہی وجہ تھی کہ معاہدے کی کچھ شقوں پر عراقی حکومت نے امریکہ سے اعتراض کیا اور انہیں دوبارہ حتمی شکل دینے کے لئے کہا جس پر امریکہ نے اس متنقذ معاہدے میں کسی بھی تبدیلی سے انکار کردیا اور تبدیلی کرنے کی صورت میں عراق کی حکومت کو سنگین دھمکیاں دیں۔ یوں عراق کی کٹھ پتلی حکومت نے عراق کے متحارب سیاسی گروہوں اور عوام کی امنگوں کو سراسر نظرانداز کرتے ہوئے امریکہ کے سامنے سر جھکا دیا۔

عراق کی حکومت کی نیازمندی کے اس معاہدے پر دستخط کیلئے عراق کے دارالحکومت بغداد میں تقریب منعقد کی گئی جس میں امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کو جوتا مارنے کے واقعے نے پوری دنیا کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی۔ بش کو اس وقت شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا جبکہ عراقی دارالحکومت بغداد میں عراقی وزیراعظم نوری المالکی کے ساتھ پریس کانفرنس کے دوران وہ اس معاہدے کے طے پاجانے پر اظہار مسرت کر رہے تھے۔ یہ اظہار مسرت فتح مندی کے یقین سے لبریز تھا کہ آخرکار امریکہ وہ کروالیتا ہے جو کہ وہ چاہتا ہے۔ اس نے نہ صرف عراق کے گروہوں، عوام بلکہ پوری دنیا کے احتجاج کے باوجود جو کہ امریکہ کے عراق سے انخلاء کی فوری حامی ہیں عراق سے وہ معاہدہ منظور کرواہی لیا۔ اس خوشی کی رسم میں امریکی صدر جارج ڈبلیو بش اپنا راگ الاپ رہے تھے کہ پریس کانفرنس کے دوران ایک عراقی صحافی نے ان پر اپنے دونوں جوتے دے مارے۔ یہ پریس کانفرنس عراقی وزیراعظم کے ذاتی دفتر میں منعقد کی گئی۔ تیسری لائن میں بیٹھے جوتے مارنے والے صحافی نے بش کے متعلق تحقیر آمیز الفاظ استعمال کرتے ہوئے یکے بعد دیگرے اپنے دونوں جوتے انہیں دے مارے۔ بش نے کمال سرعت سے خود کو پہلے جوتے سے بچایا جبکہ دوسرا جوتا بھی ان کے سر کے اوپر سے گزر گیا لیکن اس سارے عمل میں حقیقت یہی ہے کہ بش کا جوتوں سے بچنا اہمیت نہیں رکھتا کیونکہ اسے جوتے کھانے کے زمرے ہی میں لایا جاسکتا ہے جوتا پھینکنے والے صحافی منتظر الزیدی کا تعلق البغدادیہ چینل سے ہے جو قاہرہ سے اپنی

کیا عراق آزاد ہوجائے گا؟

صبا ممتاز

نشریات پیش کرتا ہے۔ سیکورٹی اسٹاف منتظر کو گرفتار کرکے کمرے سے باہر لے گئے۔ عرب ممالک میں کسی کو جوتا دکھانا یا مارنا شدید بےعزتی کی علامت تصور کیا جاتا ہے۔ منتظر الزیدی نے بش کو جوتا مار کر عراقیوں کے دلوں کی ترجمانی کی ہے اور وہ بھڑاس نکالی ہے جو کہ ان کے قلب و اذہان میں امریکہ سے نفرت کے طور پر پل رہی ہے۔ خاص طور پر ایسے معاہدے کی تقریب میں جس میں بش کا جوتے کھانا عراقیوں کا اس معاہدے سے نفرت کے اظہار کا کھلا ثبوت ہے۔

۲۰۰۳ء میں امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کی جانب سے عراقی عوام پر مسلط کی جانے والی جنگ کا یہ سب سے اچھا جواب تھا۔ عراقی صحافی کی جانب سے صدر بش پر برسائے گئے جوتوں نے امریکہ اور عراق کے مابین کئے جانے والے معاہدے کی قلعی کھول کر رکھ دی ہے۔ یہ صرف ایک عراقی صحافی کا ردعمل نہیں تھا بلکہ عام عراقی باشندے کا ردعمل ہے جس کے اظہار کی جرأت منتظر الزیدی نے کی۔ امریکی صدر جارج ڈبلیو بش واشنگٹن سے گیارہ گھنٹے کے خفیہ فضائی سفر کے بعد اچانک بغداد پہنچے۔ بش نے اس دورے میں عراق میں تعینات اپنی فوج اور عراقی رہنماؤں سے الوداعی ملاقات کی۔ عراقی رہنماؤں سے ملاقات کے دوران صدر بش نے عراق جنگ ختم نہ ہونے کا عندیہ دیا۔ بش کا یہ بیان بارک اوبامہ کے اس بیان سے بالکل متضاد ہے جس میں انھوں نے برسراقتدار آنے کے بعد عراق جنگ کے خاتمے کا مژدہ سناتے ہوئے عراق میں امریکی افواج کی کمی کا اعلان کیا تھا۔ بطور صدر جارج ڈبلیو بش کا یہ عراق کا آخری دورہ تھا جو کہ اب ان کے لئے ہزیمت انگیز یادگار بن کر رہ گیا ہے۔ ایک طرف عراق پہنچنے پر جارج ڈبلیو بش عارق جنگ کے جاری رکھنے کا اعلان کررہے تھے جبکہ دوسری طرف امریکی وزیر دفاع کا بغداد میں امریکی فوج سے خطاب کرتے ہوئے کہنا تھا کہ عراق جنگ آخری مرحلے میں داخل ہوگئی ہے۔ بارک حسین اوبامہ کے عراق مشن سے واضح تبدیلی آئے گی۔ امریکی وزیر دفاع آنے والے صدر بارک حسین اوبامہ کے اعلانات کی تائید کررہے تھے۔ بش نے جوتے کھانے کے بعد کہا کہ وہ نہیں جانتے، جوتے مارنے والا کیا چاہتا تھا۔ بش کا یہ کہنا بھی عجیب ٹھہرا کہ ان کو اتنا تو پتہ چل گیا کہ ان پر پڑنے والا جوتا دس نمبر کا تھا اور انھوں نے کمال مہارت سے خود کو جوتے کے حملے سے بچا بھی لیا لیکن انہیں اس بات کا پتہ نہیں جو کہ ساری دنیا کو پتہ ہے یعنی یہ کہ عراق کے عوام کیا چاہتے ہیں؟ فلسطینی مجاہدین کس لئے اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھے سربکف فروش ہیں۔ پوری دنیا میں بالخصوص مسلم ممالک میں امریکہ اور بش کے لئے نفرت کیوں پائی جاتی ہے؟ منتظر الزیدی صحافی نے بش پر جوتے پھینکتے ہوئے تحقیر آمیز الفاظ استعمال کئے مگر منتظر الزیدی کے کچھ کہنے سے قبل ہی پھینکے گئے جوتے کی کہانی اور مقصد ساری دنیا پر عیاں ہے یہ وہ ردعمل یا اظہار تھا جو کہ پہلی دفعہ کسی نے امریکی صدر کے روبرو یا آمنے سامنے کرنے کی جرأت کی، لیکن یہ کس چیز کا ردعمل تھا؟ یہ ساری دنیا کو معلوم ہے سوائے جارج ڈبلیو بش کے جس کا اظہار انھوں نے یہ کہہ کر کیا کہ وہ جوتا پھینکنے والے کے مقصد یا خواہش سے لاعلم ہیں۔ اصل میں بش کا یہ فقرہ بھی ان کی اخلاقی پستی کا کھلم کھلا اظہار ہے کہ ''چوری اوپر سے دیدہ دلیری'' امریکہ اور بش سے دنیا کی نفرت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ جارج ڈبلیو بش اس نفرت، اس کی وجوہ اور اس کے پس منظر سے اچھی طرح آگاہ ہیں پھر بھی لاعلمی کا اظہار پستی اخلاق کا ثبوت نہیں تو اور کیا ہے؟ کیونکہ بش اپنی دانست میں عراق میں امریکی فوجیوں کے قیام کو طول دے کر اس سے دوستی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ اس معاہدے کے حوالے سے صدر بش کا کہنا تھا کہ امریکہ کا عراق میں ٹھہرنا اس لئے ضروری ہے کہ عراق سے امریکی افواج کی واپسی پر ویسی ہی تباہی ہوسکتی ہے جیسا کہ ویت نام سے امریکی فوج کی واپسی پر جنوب مشرقی ایشیا میں دیکھنے میں آئی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ ویتنام سے امریکی افواج کی واپسی کی قیمت لاکھوں بے گناہ شہریوں کو چکانا پڑی تھی۔ بش نے عراق سے افواج کی واپسی کو ہمیشہ ویتنام جنگ سے مشروط کرکے غلط فیصلہ ثابت کرنے کی کوشش کی۔ وہ عراق سے افواج کی واپسی کا موازنہ ۱۹۷۵ء میں ویت نام جنگ کے بعد کے واقعات سے کرتے رہے۔ ان کا یہی کہنا رہا کہ کئی لوگوں کی دلیل تھی کہ اگر ہم ویت نام جنگ سے باہر آجائیں تو کچھ نہیں ہوگا لیکن دنیا نے دیکھا کہ اس کی کتنی بڑی قیمت چکانا پڑی۔ اس سلسلے میں انھوں نے اکثروبیشتر ویتنام میں امریکی اتحادیوں کے ساتھ ہونے والے سلوک، ویتنامی پناہ گزینوں کے مسائل اور پول پاٹ کھمیر وج کے دور میں ہونے والے قتل عام کا حوالہ دیا۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ عراق میں فوج کی واپسی سے القاعدہ کو تقویت ملے گی اور فوج کی واپسی القاعدہ کی جیت کی علامت ہوگی۔ صدر جارج ڈبلیو بش

باقی صفحہ ۸ پر

قرآن اور سائنس

زبیدہ شاہین

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ جدید سائنس کی ترقی میں تمام تر حصہ صرف مغربی سائنس کی تاریخ سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔

جدید سائنس کی بنیاد ڈالنے والے واقعتاً عرب مسلمان ہیں جنھوں نے یونان، روم اور ہندوستان کے خام علمی سرمائے سے ایک عالی شان علمی عمارت کی بنیاد رکھی اور تعمیر کی۔ کیوں کہ قرآن مجید نہ صرف تجربے اور مشاہدے پر ابھارتا ہے بلکہ دنیا کی ہر چیز کا اور ہر مظہر فطرت کا قریب اور باریک بینی سے جائزہ لینے کی تاکید کرتا ہے۔

کسی مسلمان مکتبہ فکر نے سائنس کو کبھی بھی مذہب کے خلاف نہیں سمجھا بلکہ مسلمانوں کے دور عروج میں سائنس ہمیشہ مذہب کے تابع رہی مگر جب مسلم حکومتوں پر زوال آیا تو سیاسی اقتدار کے ساتھ ساتھ علم وفن کی باگ بھی مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھن گئی۔ اس کے بعد اہل کلیسا کی نااہلی اور تنگ نظری کے سبب سائنس ومذہب کی تکرار نے جنم لیا اور آج انہی کے پھیلائے ہوئے گمراہ کن نظریات سے مذہب وسائنس کے تصادم کی شکل پیدا ہوئی ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت یہ کہ سوائے اسلام، دنیا کے کسی مذہب کے پاس ان غلط نظریات کی بیخ کنی کا سامان نہیں۔

وائے افسوس کہ خود مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اپنی لاعلمی، کج فہمی اور اغیار کے پروپیگنڈے کا شکار ہوکر اپنے ہی دین کے بارے میں شک میں مبتلا ہوچکی ہے۔ آج مسلمانوں کی بیداری اور نشاۃ ثانیہ کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ قرآن میں کائنات اور نظام کائنات کے سلسلے میں جو سینکڑوں آیات ہیں ان کو سامنے لایا جائے اور غوروفکر سے کام لیا جائے۔

مسلمان جب تک قرآن کو ایک زندہ کتاب تسلیم نہیں کرتے، اس کی انقلابی دعوت پر پیرا نہیں ہوتے، کسی قسم کی تبدیلی ممکن نہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلے۔'' (الرعد، آیت ۱۱)

آیئے! اب ہم اسلام کے بعد بنیادی عقائد وتصورات پر جدید سائنس کی روشنی میں نظر ڈالتے ہیں۔ سب سے پہلے اثبات باری تعالیٰ کے مسئلے کو لیجئے۔ قرآن کہتا ہے ''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بات ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان دونوں میں ہر قسم کے جاندار پھیلا دیئے۔''

اس آیت میں ''دابۃ'' یعنی جاندار ہستی کے وجود کو خدا کے وجود کی دلیل قرار دیا گیا ہے۔ جدید سائنس طویل تحقیق وتجربات کے بعد اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ انسان اور تمام حیوانات ونباتات کی تخلیق (Proto plasm) سے ہوئی ہے جن کے کیمیائی اجزاء آکسیجن، ہائیڈروجن، کاربن، نائٹروجن، فاسفورس، سلفر، کلورین، کیلشیم، سوڈیم اور میگنیشیم وغیرہ بھی دریافت کرلئے گئے ہیں مگر انتہائی کوشش کے باوجود پوری دنیا ان کیمیائی اجزاء وعناصر کو باہم ملا کر پروٹوپلازم بنانے میں کامیاب نہ ہوسکی۔ ایک سائنس داں نے پورے پندرہ سال ان عناصر کو مختلف تناسب سے ترتیب دے کر دیکھا مگر ان میں زندگی کی کوئی رمق نمودار نہ کرسکا۔ اس سے مادیت ودہریت کا یہ دعویٰ باطل ہوجاتا ہے کہ زندگی کا ظہور بغیر کسی خالق کے ممکن ہے اسی طرح یہ بھی ثابت ہوا کہ ایک صاحب ارادہ ہستی کی کارفرمائی جاری وساری ہے۔

اسی بات سے ڈارون اور فراس کے ہمنواؤں کا نظریہ ارتقاء (Evolution) بھی مردود قرار پاتا ہے، ظاہر ہے جب بغیر خالق کسی ایک خلوی (Unicellular) جاندار ہی کا وجود ممکن نہیں پھر پیچیدہ انواع Multicellular Species کا وجود بغیر کسی خالق کے کیوں کر ممکن ہوسکتا ہے؟ اثبات قیامت پر بھی ایک سائنسی دلیل ملاحظہ ہو: قرآن کہتا ہے کہ ''جب سورج لپیٹ دیا جائے گا اور جب ستارے بکھر جائیں گے۔'' (التکویر، آیات: ۱-۲)

طویل غوروخوض کے بعد سائنس داں اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ سورج اور دوسرے ستاروں میں جو روشنی اور حرارت پائی جاتی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ تمام اجرام فلکی ہائیڈروجن گیس کے بنے ہوئے ہیں۔ سورج کے مرکز میں تقریباً دو کروڑ ڈگری حرارت پائی جاتی ہے اس زبردست حرارت وتپش میں ہائیڈروجن جل کر مسلسل ہیلیم گیس میں تبدیل ہوتی جارہی ہے اور ایک دن ایسا ضرور آنے والا ہے جب سورج کی ساری کی ساری ہائیڈروجن ختم ہوجائے گی اور وہ ایک سرد اور بے جان جسم کی طرح ایک طرف کو ڈھلک جائے گا۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ صرف ایک سیکنڈ میں سورج کے وزن میں دو ملین ٹن (یعنی دو کھرب ٹن فی یوم) کی کمی واقع ہورہی ہے۔

قرآن کریم میں غوروفکر کے نتیجے میں یہ بات اظہر من الشمس ہوجاتی ہے کہ آیات الٰہی نے کائنات کے بارے میں انسان کو نہایت واضح انداز میں اس زمانے ہی میں اشارے دے دیئے تھے جب اس کے پاس ان کی کھوج لگانے اور حقیقت تک پہنچنے کے اسباب ووسائل ہی موجود نہ تھے۔ تخلیق کائنات، آسمانوں اور زمین کی تشکیل کے مراحل، اجرام فلکی کی نوعیت، دن اور رات کا تواتر، کائنات کا پھیلاؤ، بادلوں کا بننا، بارش کا برسنا، عالم نباتات وحیوانات کی تخلیق وافزائش نسل وغیرہ پر قرآن جگہ جگہ اس انداز سے روشنی ڈالتا چلا جاتا ہے کہ کہیں بھی جدید سائنس سے ٹکراؤ کی کیفیت پیدا نہیں ہوپاتی بلکہ ایک طرح سے مطابقت کا سیلاب اُمڈتا محسوس ہوتا ہے۔

جدید سائنسی نظریات کے مطابق کائنات کی تخلیق مادّے کی گیسی حالت (Gaseous State) سے وجود میں آئی، گیس کا ایک بادل تھا، پھر اس کے ٹکڑے ہوئے اور ان ٹکڑوں سے اجرام سماوی اور زمین وجود میں آئے یہی بات قرآن کریم پندرہ سو سال پیشتر بتارہا تھا ''ثم استوی الی السماء وھی دُخان۔ (سورۂ حم السجدہ)

ہواؤں کے چلنے بادلوں کے بننے اور بارش کے ہونے کا جو عمل قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے وہ سائنسی اعتبار سے کس قدر اعلیٰ درجہ کا ہے۔

''وہ اللہ ہی تو ہے جو ہواؤں کا بھیجتا ہے، پھر وہ بادل اٹھاتی ہیں، پھر ہم انہیں ایک اجاڑ علاقے کی طرف لے جاتے ہیں اور اس کے ذریعے سے زمین کو جلا اٹھاتے ہیں۔'' (سورہ فاطر، آیت: ۹)

بارش اور ذرائع آب پاشی کا حوالہ ایک اور حقیقت سے پردہ اٹھاتا ہے، ''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا اور پھر اس کو سوتوں، چشموں اور دریاؤں کی شکل میں زمین کے اندر جاری کیا، پھر اس پانی کے ذریعے وہ طرح طرح کی کھیتیاں نکالتا ہے جس کے رنگ مختلف ہیں۔''

ایک اور جگہ قرآن بارش کے برسنے سے ہونے والے واقعات کو مشیت الٰہی سے منسلک کردیتا ہے: ''کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ بادل کو آہستہ آہستہ چلاتا ہے پھر اس کے ٹکڑوں کو باہم جوڑتا ہے، پھر اسے سمیٹ کر ایک کثیف اَبر بنادیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو کہ اس کے خول میں سے بارش کے قطرے ٹپکتے ہیں اور وہ آسمان سے ان پہاڑوں کی بدولت جو اس میں بلند ہیں، اولے برساتا ہے پھر جسے چاہتا ہے ان کا نقصان پہنچاتا ہے اور جسے چاہتا ہے ان سے بچالیتا ہے۔''

(سورۃ النور، آیت ۴۳)

غرض یہ کہ قرآن اپنے پڑھنے والے کے سامنے ایک ایک کرکے آیات حقیقت انسان وکائنات کھولتا چلا جاتا ہے اور اسے غوروفکر سے کام لینے پر اُکساتا ہے۔ وہ اس سے کہتا ہے کہ تم دیکھتے ہو ہر روز ہی سورج کیسی باقاعدگی سے مشرق سے نکلتا ہے اور مغرب میں غروب ہوجاتا ہے۔ چاند تاروں کی چمک، رات دن کا آنا جانا، موسموں کے چرخے کا گھماؤ، ہواؤں کے بدلتے رُخ اور ان کے دوش پر سوار آنے والے بادل، پھر ان بادلوں سے بارش کا برسنا، اس سے مردہ زمینوں کا زندہ ہوجانا، ننھے ننھے بے جان بیجوں سے نشوونما پاتی فصلیں، سمندروں پر تیرتی کشتیاں، پہاڑ جیسی اٹھتی موجوں پہ کشتیوں اور طوفانوں کی کشاکش میں انسانی زندگیوں کا ڈانواڈول ہونا اور خود انسان کا اپنا نظام ولادت وپرورش ایک کھلی کتاب کی طرح ہر ذی عقل وشعور پر عیاں ہے۔ ایک درست سمت کی طرف رہنمائی کرنے والی کتاب حقیقت کی روشن آیات ہیں جو رہتی دنیا تک عالم انسانیت کے لئے عطائے ربانی ہیں۔

آیات قرآنی میں غوروفکر سے کام لیتے ہوئے ہم تین باتیں نمایاں دیکھتے ہیں ایک نظم وترتیب، دوسرے توافق اور تیسرے حسن وجمال۔

قرآن مظاہر کائنات کے بیان کے بعد انسان سے کلام الٰہی کی حیثیت سے سوال کرتا ہے ''تو خدا کی پیدا کی ہوئی ہر چیز میں کوئی نقص وکوتاہی نہ پائے گا، ایک بار پھر نگاہ ڈال کیا تجھے کوئی رخنہ نظر آتا ہے۔''

(سورۃ الملک، آیت ۳)

قرآن اپنے قاری کو توجہ دلاتا ہے کہ کائنات کی ہر شے قانون الٰہی کی پابند ہے اور ایک ذی اقتدار کی گرفت میں جکڑی ہوئی ہے، ہر قوی ایک بالاترین قوت کے سامنے مطیع وعاجز ہے اور زمین وآسمان کی ہر شے چاروناچار اسی اللہ کے سامنے سربسجود ہے۔

اس استدلال کے ساتھ قرآن اپنے قاری کو اس شعور سے ہم آہنگ کرتا ہے کہ نظم وترتیب، توازن وتوافق اور قانون وضابطہ اور حسن وجمال کے ساتھ چلنے والی اس دنیا میں جہاں پتہ پتہ، قطرہ قطرہ اور ذرہ ذرہ (الیکٹران) تک ایک بندش میں جکڑا ہوا ہے، خود ہم بھی نہ عملاً آزاد ہیں اور نہ ہی آزادی میں ہمارا بھلا ہے۔ ہمارا دنیا میں مقام حاکم ومقتدر کا نہیں بلکہ محکوم وماتحت کا ہے، ہماری فلاح اسی میں مضمر ہے کہ ہم خود کو اپنے مالک کی رضا کے حوالے کردیں۔

●●

بقیہ : ''اپنے اوقات زندگی کو غنیمت جانئے''

اس وقت ہوتا ہے جب دن غروب ہوجاتا ہے، میں سوچتا ہوں کہ میری عمر تو کم ہوگئی۔ مگر میرے عمل میں اضافہ نہیں ہوسکا۔ (ایضاً)

انسان کی سعادت یہ ہے کہ اللہ اسے اپنے وقت سے بھرپور استفادے کی توفیق عطا فرمائے، چنانچہ اس کی حیات مستعار کے تمام لمحات اللہ کی عبادت واطاعت سے آباد ہوجائیں، اللہ جب بھی کسی کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے وقت میں برکت رکھ دیتا ہے اور اس کو وقت کے صحیح استعمال کی توفیق بخش دیتا ہے۔ اور جس کے ساتھ شر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے اوقات میں بے برکتی رکھ دی جاتی ہے اور اسے وقت کے صحیح استعمال کی توفیق عطا نہیں ہوتی، انسان کی سب سے بڑی ہوش مندی وقت کا صحیح استعمال اور سب سے بڑی نادانی وقت کا ضیاع ہے۔

احادیث میں انسان کو یاددہانی کرائی گئی ہے کہ اوقات کو غنیمت جان کر اعمال صالحہ کے لئے سرگرم ہوجائے، ایک حدیث میں ہے ''اعمال صالحہ میں جلدی کرو، ورنہ تاریک راتوں کے ٹکڑوں کی طرح پے درپے فتنے آنے کو ہیں۔ انسان صبح کو مومن رہے گا مگر شام کو کافر ہوجائے گا یا شام کو مومن رہے گا مگر صبح کو کافر ہوجائے گا، دنیا کے سازوسامان کے بدلے اپنا دین فروخت کردے گا اور داؤں پر لگادے گا۔''

عموماً انسان غفلت شعار ہوتا ہے، غفلت کا یہی روگ بیشتر انسانوں کو وقت کی قدروقیمت سے ناآشنا بنادیتا ہے، چنانچہ وہ جانوروں جیسی بے مقصد زندگی گزارتے ہیں اور دنیا کی فانی لذتوں کے پیچھے دوڑتے بھاگتے رہتے ہیں۔ اور ان کا ایمانی ضمیر سوجاتا ہے، احمد بن حرب کہا کرتے تھے ''بڑا عجیب حال ہے اس شخص کا جو یہ جانتا ہے کہ اس کے اوپر جنت آراستہ ہے، اور اس کے نیچے جہنم کی آگ مشتعل ہے، پھر بھی وہ محو آرام ہے، ان دونوں کے درمیان کیسے وہ سوجاتا ہے۔

(الوقت/احمد محمود/ ۷)

غفلت کا یہ مرض انسان کو ٹال مٹول کا عادی بنادیتا ہے، وہ کوئی اصلاح قبول کرنے پر تیار نہیں ہوتا، بلکہ ٹال دیتا ہے، اور اپنی مجرمانہ اور عاصیانہ زندگی میں مگن رہتا ہے، سلف صالح کی سیرت میں وقت کے ہر ہر لمحے کو غنیمت سمجھنے کے بے نظیر بلکہ ناقابل یقین نمونے موجود ہیں، علمائے سلف میں دسیوں ایسے افراد ہیں جن کا یہ بیان ملتا ہے کہ کھانے کے دوران علمی، مشاغل کے انقطاع پر انہیں بےحد افسوس ہوتا ہے اور وہ وقت ضائع محسوس ہوتا ہے۔ اسی طرح بہت سے علماء سے مرض الوفات میں عالم نزع میں بھی علمی مذاکرات اور علمی اشتغال وانہماک کے واقعات منقول ہیں، اور سلف کا یہ طرز عمل بعد کے سبھی لوگوں کے لئے بہت روشن نمونے کی حیثیت رکھتا ہے اور ہر ایک کو دعوت فکروعمل دیتا ہے۔

●●

خطوط ومسائل

کل اور آج

سورۃ الاعراف کے ذریعہ پچھلی قوموں کی غلطیاں، ہٹ دھرمیاں اور تباہیاں بتاتے ہوئے مشرکین عرب کو خبردار کیا گیا کہ تمہاری بھی مخالفت، اعتراضات اور ہٹ دھرمی بالکل اُسی طرح کی ہیں جس طرح قوم نوح علیہ السلام، قوم ہود علیہ السلام (عاد)، قوم صالح علیہ السلام (ثمود)، قوم لوطؑ، فرعون وغیرہ کی تھیں اس لئے تمہارا حشر بھی وہی ہوسکتا ہے جو ان قوموں کا ہوا۔ اللہ کی یہ کتاب آخری کتاب ہے جو اس زمین پر نازل کی گئی ہے اور یہ دنیا اپنی عمر کے آخری مرحلے سے گزر رہی ہے، غور کرنے پر محسوس ہوتا ہے کہ دنیا کے اس آخری دور تک پہنچتے پہنچتے انسان نے اپنی نفسیات کے مطابق بہترین نمونے پیش کئے۔ مثلاً انبیاء علیہم السلام، رسولؐ اور صحابہؓ کہ اب ان سے بہتر نمونہ انسان کے بس کی بات نہیں۔ جب ہم سرکشی، نافرمانیوں اور برائیوں کی طرف نظر ڈالتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ پچھلی قوموں نے ہر برائی کی بدترین مثالیں چھوڑی ہیں جو انسانی نفسیات اور حالات کے مطابق ممکن ہے۔ اب اس سے بڑھ کر کوئی برائی نہیں ہوسکتی۔ شکل کچھ اور ہوسکتی ہے لیکن حکمت عملی تبدیل نہیں ہوسکتی۔ ''لیوین سیریز'' جس میں گیارہ کا عدد ضروری ہوتا ہے یعنی ''دہشت گردوں کی کارروائیاں'' ان کے بارے میں قرآن کہتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے قمیص کو اُس زمانے کی انتہائی اعلیٰ ومہذب بدنیت عورت نے پیچھے سے کھینچ کر پھاڑ ڈالا۔ اس کے شوہر نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ درباریوں نے شہادت دی کہ حضرت یوسف علیہ السلام بےقصور ہیں لیکن سنی اَن سنی کرکے اُس عورت کی بجائے انہیں زندان میں دھکیل دیا گیا۔ اب ذرا دیکھئے ۱۱/۹ امیر کی بیوی نے برائی کی نیت سے حضرت یوسف علیہ السلام پر زبردستی کی۔ اُدھر بری نیت اور شرارت کے ارادے سے دانستہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر گرادیا گیا۔ اس کے شوہر نے دیکھا کہ بیوی قصوروار ہے۔ پولیس نے اس وقت دیکھا کہ قریب ہی کچھ یہودی گھر کے باہر آنگن میں شراب کی بوتلوں کے ساتھ خوشیاں منارہے ہیں، لیکن حکومت وقت نے ان کی گرفتاری یا تفتیش کے بجائے فوراً اسرائیل بھیج دیا۔ عزیز مصر کے درباریوں نے کہا کہ اگر قمیص پیچھے کی طرف سے پھٹی ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام بےگناہ ہیں اور عورت قصوروار وخطاکار ہے۔ نہ صرف امریکہ بلکہ دنیا کے مختلف مفکرین، دانشور وصحافیوں نے مضامین لکھے کہ پائلٹ محمد عطا اس وقت امریکہ میں تھا ہی نہیں، ہوائی جہاز ٹکرانے سے عمارت نہیں ڈھائی جاسکتی بلکہ قصداً بارود سے اُڑادی گئی، جہاں دشمن اتنا عقلمند تھا کہ ہوائی جہازوں کا اغوا کرکے عمارت کو ٹکر مارسکتا تھا، وہیں اتنا بیوقوف کیسے ہوسکتا کہ یہودیوں کے چھٹی کے دن عمارت ڈھائے جب کہ وہاں کوئی یہودی ہی نہ ہو حالانکہ دشمنی یہودیوں سے ہے۔ گودھرا سانحہ کے بارے میں بھی سب نے یہ دیکھا کہ ملک کی ہر زبان کے میڈیا نے بتایا کہ بوگی کو آگ اندر سے لگائی گئی باہر سے نہیں۔ اس کا عملاً مظاہرہ تجربے کے ذریعہ دکھایا گیا۔ اسی طرح امریکہ میں دو واقعات ہوئے جس میں چھوٹے ہوائی جہاز چھوٹی عمارت سے ٹکرائے۔ نہ عمارتیں گریں اور نہ ہی دھماکے ہوئے۔ لیکن ہر واقعہ کے بعد حکمراں وہی کہتے آرہے ہیں جو پہلے دن کہا گیا تھا۔ چند یہودی شراب نوشی کے ذریعہ خوشیاں منارہے تھے۔ مسلمانوں کی تباہی وبربادی پر ادھر فخریہ جلوس نکالے جاتے ہیں۔ فتح کا دن ہر سال منایا جاتا ہے۔ جہاں حکومت نے ان یہودیوں کو اسرائیل بھیج دیا ہماری حکومت کے ذمہ دار بھی بہت کچھ نظرانداز کرگئے۔ عزیز مصر کے درباریوں کی بات کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ اسی طرح صحافیوں کے نکالے ہوئے نتائج کو بھی پس پشت ڈال دیا گیا۔ کسی قسم کی قانونی حیثیت نہیں دی گئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو قیدخانہ بھیج دیا گیا اور بھلا دیا گیا۔ دنیا کی مختلف جیلوں میں آج بہت سے بےقصور مسلمان پڑے تڑپ رہے ہیں، انہیں یک سر بھلادیا گیا۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ شیطانی فطرت کی نفسیات کی حکمت عملی بالکل وہی ہے جو قرآن بیان کرتا ہے۔ حالات کے لحاظ سے صرف طریقے بدل گئے ہیں ورنہ کل میں اور آج میں کوئی فرق نہیں۔

ابوالمجاہد احمد جریؔ، حیدرآباد

جماعت کو یہ کام بھی کرنے چاہئیں

اس وقت ہمارے ملک ہندوستان میں ایسے مسلمانوں کو تیار کرنے کی ضرورت ہے جو غصہ پر قابو رکھیں، وعدے کی پابندی کریں، وقت اور مواقع کی قدر کرتے ہوئے اس کا صحیح استعمال کریں۔ ہر ایک کے ساتھ ایمانداری سے کام کریں۔ جھوٹ سے اجتناب کریں، خوش اخلاقی کو اپنا معیار بنائیں، ہر کام میں خلوص، محنت، حوصلہ وہمت ہوں۔ سوائے خدا سے کسی سے نہ ڈریں۔ خدا اور رسولؐ کے احکام پر عمل پیرا ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جماعت اسلامی کے اکثر ممبروں میں یہ اوصاف ہیں پھر بھی تمام کارکنوں میں اگر اوصاف ہوجائیں تو ملک میں یہ ایک چلتی پھرتی تبلیغ کا کام ہوگا۔ ملک کا ہر شخص آپ سے محبت کرے گا بلکہ آپ سے نصیحت اور سبق حاصل کرے گا۔ ویسے اکثر جگہوں میں جماعت بہت اچھا کام کررہی ہے، خصوصاً تعلیم اور صحت کے شعبوں میں کئی صوبوں میں بہت اچھا کام کررہی ہے۔ پھر بھی کام کرنے کے لئے اور بھی میدان میں خصوصاً اس وقت مجھے خاکسار تحریک یاد آرہی ہے جو محلے محلے غریبوں کی، ضرورتمندوں کی، معذوروں کی حتی المقدور مدد کرتی تھی۔ اگر جماعت یہ پروگرام لے کر محلہ واری جماعت محلے کے جو بچے اسکول نہیں جاتے، کیوں نہیں جاتے، ان کی کیا مجبوری ہے۔ اس مجبوری کو دور کرکے بچوں کو اسکولوں میں داخل کرائے، محلے میں کوئی غریب بیمار ہے اس کا کیا علاج ہورہا ہے اس کی امداد کرے۔ محلے میں کون بیروزگار ہے کس طرح اس کے روزگار کا بندوبست کرے، محلے میں کس کس مقام میں نفاق وجھگڑا کسی بات پر ہے اس کو انصاف کی روشنی میں سلجھائے۔ محلے میں کون نماز نہیں پڑھ رہا ہے اس کو نماز کی عادت کے لئے راغب کرے۔ محلے میں صاف صفائی کا پورا خیال کریں۔ کبھی عملی طور پر دوستوں کو لے کر خود صفائی کریں۔ محلے میں جو غیرمسلم رہتے ہیں ان کا پورا خیال رکھیں اور مسلمانوں کی طرف سے کوئی تکلیف ان کو نہ ہو۔ اگر ان کی طرف سے کوئی شکایت ہے تو خوش اسلوبی سے درخواست کریں کہ آپس میں اتحاد قائم رہے۔ ایک دوسرے کا لحاظ کریں۔ ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوکر بھائی چارہ قائم رکھیں۔ جماعت اسلامی رضاکارانہ طور پر اپنے کارکنوں کو اس پروگرام پر عمل کرنے کی ہدایت دے اور اگر اس پر ہر جگہ عمل ہوتا رہے تو ملک کا ہر فرد چاہے وہ کسی مذہب، کسی جماعت کا کیوں نہ ہو جماعت اسلامی کے ہر کارکن کو اپنا مسیحا سمجھے گا۔ یہی حقوق العباد ہے۔ دعا کرتا ہوں کہ جماعت اسلامی کو اللہ تعالیٰ اور مضبوط ومستحکم کرے۔ اس کے پروگرام پر عمل کرنے کی ہر رکن کو توفیق عطا کرے۔ جماعت کے کام سے ملک وملت کا مستقبل روشن ہو۔

محمد حنیف

ایڈیٹر ماہنامہ صنعت وتجارت، ۲۴-سی۔ برائٹ اسٹریٹ کلکتہ-۱۷

اہم خبروں کا اختصار

ملکی

● گوہاٹی: یکم جنوری کو گوہاٹی میں سائیکل کے ذریعے تین دھماکے کئے گئے جن سے پانچ افراد ہلاک اور کم از کم پچاس زخمی ہوگئے۔ ریاستی حکومت نے الفا پر شبہ ظاہر کیا ہے۔

● رامپور۔ یہاں سی آر پی ایف کیمپ پر مبینہ حملے کو ایک سال مکمل ہوگیا لیکن ابھی تک اترپردیش اے ٹی ایس ملزمین کے خلاف چارج شیٹ داخل نہیں کرسکی۔ ہر چودہ دن بعد اے ٹی ایس نئی تاریخ لے کر ملزمین کی عدالتی تحویل میں اضافہ کرادیتی ہے۔

● بھوپال۔ لوک آیکت ریوسدن دیال نے مدھیہ پردیش کے سابق وزیراعلیٰ دگ وجے سنگھ اور کانگریس کے گیارہ سابق وزراء کو بدعنوانی اور گڑبڑیاں کرنے کے الزام سے بری کردیا۔

● نئی دہلی۔ ہندوستان اور پاکستان نے کشیدگی کے باوجود اسلام آباد اور نئی دہلی میں ایک ساتھ اپنی جوہری تنصیبات کی فہرست کا تبادلہ کیا۔ یہ تبادلہ ۳۱ر دسمبر ۱۹۸۹ء کے معاہدے کے تحت ہر سال یکم جنوری کو کیا جاتا ہے۔

● نئی دہلی۔ دہشت گردی سے سختی سے نمٹنے کے مقصد سے تو تشکیل شدہ خفیہ ایجنسی میک (ملٹی ایجنسی سنٹر) کی پہلی میٹنگ یکم جنوری کو یہاں وزیرداخلہ پی چدمبرم کی صدارت میں ہوئی۔

● لکھنؤ۔ بی جے پی کے لیڈر ونے کٹیار نے پھر کانگریسی لیڈر ویرپا موئیلی کی سربراہی والے انتظامی اصلاحات کمیشن کی رپورٹ کا حوالہ دیتے ہوئے یہ کہا ہے کہ دارالعلوم دیوبند پر پابندی لگنی چاہئے کیونکہ اس ادارے سے وابستہ اہم شخصیات سے دہشت گردوں کے قریبی روابط ہیں۔

● بھٹکل۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کا مشاورتی اجلاس ۷رفروری ۲۰۰۹ء کو جامعہ اسلامیہ جامعہ آباد بھٹکل کرناٹک میں ہوگا۔

● نئی دہلی۔ دہلی پولیس نے دہلی بم دھماکہ اور بٹلہ ہاؤس مبینہ انکاؤنٹر کے سلسلے میں ۵۸ صفحات پر مشتمل چارج شیٹ عدالت میں داخل کی ہے جس میں ۱۲ افراد کو ملزم بنایا ہے جن میں سے گیارہ گرفتار ہیں۔ چارج شیٹ کی بعض باتوں سے بٹلہ ہاؤس کا مبینہ انکاؤنٹر اور بھی مشکوک ہوگیا۔

● لکھنؤ۔ اترپردیش کانگریس کی صدر ڈاکٹر ریتا بہوگنا جوشی نے کہا ہے کہ انہیں امید ہے کہ ۲۰رجنوری تک سماجوادی پارٹی کے ساتھ ریاست میں انتخابی اتحاد ہوجائے گا اور معاہدے میں کانگریس کو ریاست کی ۸۰ پارلیمانی نشستوں میں سے پچیس سے زیادہ نشستیں ملیں گی۔

● لکھنؤ۔ بہوجن سماج پارٹی کے گرفتار رکن اسمبلی شیکھر تیواری نے اعتراف کرلیا کہ اوریا میں پی ڈبلیو ڈی کے ایگزیکیٹو انجینئر ایم کے گپتا کا قتل اس نے اپنے حامیوں کے ساتھ مل کر کیا۔ یہ جانکاری پولیس اہلکار برج لال نے یہاں صحافیوں کو دی۔

● نئی دہلی۔ بھارتیہ جنتا پارٹی کے لیڈر ایل کے آڈوانی نے بنگلہ دیش میں پارلیمانی انتخابات جیتنے پر شیخ حسینہ واجد کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا ہے کہ وہ اقتدار کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد پہلے غیر ملکی دورے پر ہندوستان آئیں۔

● نئی دہلی۔ ریاست بہار میں فاسٹ ٹریک عدالتوں کے ذریعے گزشتہ تین برسوں میں ۸۰ افراد کو پھانسی، ۵۶۷۸ کو عمرقید، ۱۶۲۰ کو دس سال سے زائد اور ۱۹۷۳۳ کو دس سال سے کم قید کی سزا سنائی گئی۔ کل ۱۷۱۱۲ افراد کو سزائیں سنائی گئیں۔

● ممبئی۔ کرائم برانچ ذرائع نے کہا ہے کہ ممبئی حملوں میں گرفتار اجمل عامر قصاب کے خلاف چارج شیٹ داخل کرنے میں اسے کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی کیونکہ اس کے خلاف پختہ ثبوت ہیں۔ کرائم برانچ نے اس کے خلاف مکوکا کے تحت نہیں بلکہ غیر ملکی کوسٹ ایکٹ اور دیگر بارہ معاملات کے تحت مقدمہ درج کیا ہے۔

● نئی دہلی۔ وزیر دفاع اے کے انٹونی نے پاکستان کے وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی کے اس بیان پر کہ ہندوستان کی افواج سابقہ پوزیشن پر چلی جائیں تاکہ امن وامان کی فضا قائم ہوسکے، کہا کہ پاکستان ہمیں مشورہ نہ دے، ہماری افواج فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہیں اور ان کی پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔

غیر ملکی

● دمشق۔ شام نے کہا ہے کہ وہ حماس اور اسرائیل کے درمیان محاذ آرائی میں حماس پر کسی قسم کا دباؤ نہیں ڈالے گا۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ غزہ پر اسرائیلی جارحیت سے شام اور اسرائیل کے درمیان امن کے امکانات کو بہت نقصان پہنچا ہے۔

● کولمبو۔ سری لنکا میں فوج نے تمل باغی تنظیم ایل ٹی ٹی ای کے خلاف خونریز تصادم کے بعد فوجی لحاظ سے اہم شمالی قصبے پراتھن پر قبضہ کرلیا۔ بعد میں باغیوں کے ہیڈکوارٹر کلونوچی پر بھی قبضہ کرلیا۔

● آک لینڈ۔ نیوزی لینڈ میں ایک مسافر طیارے کی خوردنی تیل سے دو گھنٹے تک ٹیسٹ پرواز کا کامیاب تجربہ کیا گیا۔ ایئر لائن نے اس پرواز کو سستی توانائی کے حصول کے سلسلے میں ایک سنگ میل قرار دیا ہے۔

● قندھار۔ طالبان نے جنوبی افغانستان میں ضلع سربراہ ملام سلام کے قافلے پر گھات لگا کر حملہ کیا جس کے نتیجے میں ان کے بیس باڈی گارڈ ہلاک ہوگئے۔ ایک دوسرے حملے میں ایک برطانوی فوجی ہلاک ہوگیا۔

● نیویارک: یہاں ۳۰ر دسمبر تا یکم جنوری لگاتار تینوں دن غزہ پر اسرائیلی حملوں کے خلاف مظاہرے ہوئے۔ یہ مظاہرے اسرائیلی قونصل خانہ کے سامنے ہوئے۔

● کرے فورڈ۔ کیوبا کی آزادی کے پچاس برس مکمل ہونے پر امریکہ نے کہا ہے کہ آج بھی اس ملک کے عوام مشکل حالات کا سامنا کر رہے ہیں۔

● بنکاک۔ تھائی لینڈ کے دارالحکومت بنکاک کے ایک نائٹ کلب میں ہونے والی آتشزدگی میں ساٹھ افراد ہلاک اور سو سے زائد زخمی ہوگئے۔

● ماسکو: روس کے وزیر خارجہ سرگئی لاوروف سے ٹیلیفون پر باتیں کرتے ہوئے حماس کے جلاوطن لیڈر خالد مشعل نے کہا کہ وہ اسرائیل کے خلاف مسلح محاذ آرائی روک دینے کیلئے تیار ہیں بشرطیکہ اسرائیل غزہ کا محاصرہ ختم کرے۔

● غزہ: حماس کے رہنما اسماعیل ہنیہ نے کہا ہے کہ غزہ میں آج جو کچھ ہو رہا ہے وہ عام حملہ نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی جنگ ہے جو کسی ضابطہ، قانون اور اصول کے بغیر لڑی جارہی ہے۔

● کنبرا: آسٹریلیا نے کہا کہ وہ گوانتاناموحراستی مرکز کے قیدیوں کو قبول کرنے سے متعلق امریکی حکومت کی درخواست پر غور کر رہا ہے۔ ادھر ٹائمز اخبار کی رپورٹ کے مطابق مذکورہ جیل کو بند کرنے کے نومنتخب امریکی صدر بارک اوبامہ کے وعدے کی تکمیل کے لئے مشتبہ قیدیوں کو لینے کے لئے برطانیہ خود کو تیار کر رہا ہے۔

● جامرود۔ افغانستان میں طالبان سے برسرپیکار غیرملکی افواج کو رسدات مہیا کرانے کے لئے پاکستان جلد ہی اہم شاہراہ کھول دے گا۔ خیبر درہ پاکستان کے پشاور کو افغانستان کے ترخم سے جوڑتا ہے اور امریکی فوج کو ۷۵ فیصد سے زائد رسدات اور چالیس فیصد سے زائد تیل کی سپلائی اسی راستے سے ہوتی ہے۔ یہ راستہ طالبان کے حملوں کے باعث بند کردیا گیا تھا۔

● قاہرہ: ترکی کے وزیراعظم طیب اردوگان نے اسرائیل پر زور دیا ہے کہ وہ غزہ پر حملے بند کردے اور ناکہ بندی ختم کردے۔ حماس سے بھی حملے بند کرنے کی اپیل کی ہے۔

● غزہ۔ غزہ پر اسرائیلی حملوں میں حماس کے سینئر رہنما نزار ریان کی موت ہوگئی۔

● اسلام آباد: اخبار'ڈان' کی رپورٹ کے مطابق امریکی انتظامیہ پاکستان پر زور دے رہی ہے کہ جو لوگ ممبئی حملوں کے ذمہ دار ہیں انہیں ہندوستان کے حوالے کرنے کے بجائے ان پر پاکستان ہی میں مقدمے چلائے جائیں اور اس بات کی پوری کوشش کی جائے کہ انہیں سزا ہو۔

● نئی دہلی۔ عدالت نے دہلی بم دھماکوں کے ایک ملزم محمد سیف کو ۷رجنوری تک عدالتی تحویل میں بھیج دیا ہے۔ وہ جے پور دھماکہ کیس میں راجستھان پولیس کی ریمانڈ پر تھا جبکہ دیگر چار ملزمان محمد ذیشان، ثاقب نثار، محمد شکیل اور ضیاء الرحمٰن ابھی تک گجرات پولیس کی حراست میں ہیں۔

● ٹوکیو۔ دنیا بھر میں جاری معاشی بحران کے سبب جاپانی حکومت بین الاقوامی امداد کی مد میں دی جانے والی رقم میں چار فیصد تک تخفیف کرنے پر غور کر رہی ہے۔

● واشنگٹن۔ امریکی وزیر خارجہ کنڈولیزا رائس امریکہ۔ چین تعلقات کے تیس سال مکمل ہونے پر اپنے آخری سرکاری دورے پر ۷رجنوری کو بیجنگ کا دوروزہ دورہ کریں گی۔

میر بابر مشتاق

حماس کا ۲۱واں یوم تاسیس

۱۵ر دسمبر ۱۹۸۷ء کو حماس کا قیام عمل میں آیا اور اس کے بانی چیئرمین اور سربراہ شیخ محمد یٰسین بنائے گئے۔ حماس کا پورا نام حرکۃ المقاومۃ اسلامیہ ہے۔ اس کو اردو میں ہم اسلامی تحریک مزاحمت کہتے ہیں۔ شیخ احمد یٰسین نے ۱۹۷۳ء میں مجمع نامی تنظیم کی بنیاد رکھی۔ جلد ہی فلسطین کے سیکڑوں نوجوان اس کے رکن بن گئے۔ مجمع کا بنیادی کام فلاحی سرگرمیوں میں حصہ لینا تھا۔ اس نے فلسطین میں بے شمار اسکول اور کلینک کھولے۔ شیخ احمد یٰسین نے اس تنظیم کو ختم کرکے حماس کی بنیاد رکھی۔ تنظیمی طور پر اس کے تین شعبے قائم کئے گئے: (۱) عسکری شعبہ (۲) سیاسی شعبہ (۳) فلاحی شعبہ۔ تینوں شعبوں نے اپنے اپنے دائرۂ کار کے اندر بے مثال کام کیا۔ عسکری شعبے نے اسرائیل کے دفاعی نظام کو ناکارہ کرکے رکھ دیا اور اس کے تمام دعوے خاک میں ملا دیے۔ فلاحی شعبے نے عوام کی خدمت بلاامتیاز کی۔ شہداء کے لواحقین اور غریب عوام کی خدمت کو اولین مقصد بنایا۔ سیاسی شعبے نے فلسطینی عوام کی نمائندگی کا حق ادا کیا اور وقت کے فرعونوں کو شکست سے دوچار کیا۔ اس کی پاداش میں اسرائیل نے بانی رہنما شیخ احمد یٰسین کو شہید کردیا۔ اب تک تیس سے زائد اہم سیاسی رہنما شہید ہوچکے ہیں۔ حماس نے جرأتمندانہ طریقے سے اپنی قیادت کو شہادت کے لئے پیش کیا ہے جس سے اسرائیل کی بدترین پالیسیوں اور ظلم کے خلاف عام آدمی کو حوصلہ ملا ہے اور وہ خود اسرائیل کے خلاف دیوار بن گیا ہے۔ اپنے اکیسویں یوم تاسیس تک حماس کے ہزاروں کارکنان جام شہادت نوش کرچکے ہیں۔ دس ہزار سے زائد ارکان سالہا سال سے اسرائیلی جیلوں میں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں۔ ۴۲ اراکین پارلیمنٹ اور اسپیکر اسمبلی سمیت سات وزراء دو سال سے بغیر کسی جرم کے اسرائیلی جیلوں کے اندر قید ہیں۔ یہ وہ منتخب نمائندے ہیں جنہیں عوام کے منتخب نمائندے ہونے اور ظالم حکمرانوں کے سامنے کلمۂ حق کہنے کے جرم میں پابند سلاسل کردیا گیا اور عالمی امن کا دعویدار اور نام نہاد دہشت گردی کے خلاف اعلان جنگ کرنے والا امریکہ جو اس صدی کا سب سے بڑا دہشت گرد ہے، اسے وہاں اسرائیل کی دہشت گردی نظر نہیں آتی۔ اسرائیل نے فلسطینیوں کے لئے جینا حرام کیا ہوا ہے۔ غزہ شہر کے اندر ہزاروں شہریوں کو اس نے یرغمال بنایا ہوا ہے۔ کسی اسلامی ملک کے حکمراں کو یہ جرأت نہیں ہورہی کہ وہ اس ظلم کے خلاف آواز بلند کرے۔ بدقسمتی سے یہ حکمراں امریکہ کے آلۂ کار بنے ہوئے ہیں۔

انھوں نے اپنی غیرت وحمیت امریکہ کے پاس گروی رکھی ہوئی ہے۔ او آئی سی کا کردار انتہائی شرمناک ہے جو اپنے آپ کو اسلامی دنیا کی نمائندہ تنظیم کہتی ہے۔ وہ بھی اقوام متحدہ کی طرح بے اثر ہوگئی ہے۔ یہ دونوں ادارے امریکہ کی وفادار باندی کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ حماس کے اکیسویں یوم تاسیس کے موقع پر فلسطین کی قابل فخر بیٹی وفا ادریس کو نہیں بھلایا جاسکتا جو حماس کے خودکش اسکواڈ کی چیف تھی، جس نے اپنی جان پر کھیل کر اپنے خون سے کئی چراغ جلا دیے ہیں جو آزادئ فلسطین کو قریب سے قریب تر کردیں گے۔ حماس کے رہنماؤں کا یہ پرعزم اعلان ہے کہ وہ القدس اور فلسطین کی آزادی کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے کو تیار ہیں۔ ●●

ہند۔ پاک کے ڈاکٹروں کی اپیل

نئی دہلی۔ پاکستان کی طرف سے جنگی جنون پیدا کرنے اور ہندوستان میں بھی اس سے تناؤ کی وجہ سے فکرمند دونوں ملکوں کے ڈاکٹروں نے ۲۶ر نومبر ۲۰۰۸ء کو ممبئی میں ہوئے دہشت گردانہ حملوں کی بہ یک وقت مذمت کی اور ان لوگوں کو خراج عقیدت پیش کیا جنھوں نے حملے کے متاثرین کو بچانے کے لئے دہشت پسندوں سے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

ایک مشترکہ پریس بیان میں دونوں ملکوں کے ڈاکٹروں نے کہا کہ دونوں ملکوں کے درمیان کوئی تصادم ہوا تو وہ بڑھ کر نیوکلیائی جنگ میں تبدیل ہوجائے گا اور یہ دونوں کے لئے تباہ کن ہوگا۔

دہشت پسندی کی لعنت کی روک تھام کے لئے سفارتی اور دیگر واسطوں سے مشترکہ کارروائیاں کرنی پڑیں گی۔ اس مشترکہ بیان پر پاکستان کے ڈاکٹر ٹیپو سلطان اور ہندوستان کے ڈاکٹر ایل ایس چاؤلہ اور ڈاکٹر ارون مترا کے دستخط ہیں۔ بیان میں کہا گیا کہ تاریخ نے ہمیں دکھا دیا ہے کہ جنگ سے کوئی مقصد حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے تمام سیکولر اور جمہوری طاقتوں کو دہشت پسندی کی روک تھام کے لئے متحد ہوجانا چاہئے۔

محترمہ انور جہاں صاحبہ عرف انور باجی کا انتقال

نئی دہلی۔ جماعت اسلامی ہند کی رکن اور حلقہ دہلی وہریانہ کی سابق ناظمہ خواتین محترمہ انور جہاں صاحبہ ۲رجنوری ۲۰۰۹ء کی صبح بعد نماز فجر انتقال فرما گئیں۔ مرحومہ ایک عرصے سے بیمار تھیں۔ عمر تقریباً ۸۰ سال تھی۔ مرحومہ جماعت کی سرگرم اور فعال رکن تھیں اور جماعتی حلقوں میں انور باجی کے نام سے یاد کی جاتی تھیں۔ خرابئ صحت کے باوجود ایک عرصۂ دراز تک جماعت کے کاموں میں حصہ لیتی رہیں۔ ناظمہ دہلی وہریانہ کی حیثیت سے مرحومہ نے حلقہ میں جماعت کے کام کو خاص طور سے منظم ومربوط کیا تھا۔ مرحومہ انور جہاں صاحبہ مرحوم صفدر صاحب (عبداللہ صفدر علی صاحب) کی بیوہ تھیں۔ محترم امیر جماعت مولانا سید جلال الدین عمری، ڈاکٹر محمد رفعت امیر حلقہ دہلی وہریانہ اور دیگر ذمہ داران جماعت نے انور باجی کے انتقال پر افسوس اور دکھ کا اظہار کیا ہے۔

ادھر ملی ماڈل اسکول واقع دعوت نگر کی سابق صدر معلمہ محترمہ انور جہاں باجی کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے ۲رجنوری کو ایک تعزیتی نشست کا انعقاد کیا گیا جس میں ذمہ داران، صدر معلمہ، معلمات اور طلبہ وطالبات نے شرکت کی۔ صدر معلمہ اور دیگر معلمات نے مرحومہ کے اوصاف حمیدہ بیان کرتے ہوئے رنج وغم کا اظہار کیا۔

دعوت

جائزہ

"انسداد دہشت گردی کا نیا قانون کیوں؟"

ممبئی میں حالیہ دہشت گردانہ حملوں کے بعد پارلیمنٹ میں دو بلوں کو منظوری دی گئی۔ ایک پوٹا کے متبادل کے طور پر غیر قانونی سرگرمی کا بل اور دوسرا نیشنل جانچ ایجنسی کے قیام سے متعلق۔ اس پر قانونی اور سیاسی حلقوں میں بحث جاری ہے۔ ایک سوال یہ کیا جارہا ہے کہ حکومت کا یہ قدم دہشت گردی سے نمٹنے میں کس حد تک مددگار ثابت ہوگا؟ کیا ٹاڈا اور پوٹا کے ناکام تجربات کے بعد اس طرح کے سخت قانون کی ضرورت تھی؟ کیا موجودہ قوانین دہشت گردی سے نمٹنے میں ناکافی تھے؟ دہشت گردی سے نمٹنے کے لئے سخت قانون کی ضرورت ہے یا مضبوط سیاسی قوت ارادی کی؟ نئے سخت قانون کی خبر سے ایک بار پھر ملک کی اقلیتوں کو ماضی کے تجربات کی روشنی میں خدشات لاحق ہیں کہ اس کا استعمال بے قصوروں کے خلاف ہوگا؟ یہ اور اس طرح کے دیگر سوالات کا جواب ہم **جائزے** کے اس شمارے میں تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔

تاریخ اشاعت ۱۶رجنوری ۲۰۰۹ء

سروس کیمپ کا اہتمام

خدمت خلق اسلام کا اہم ترین جزو ہے

غازی آباد — جماعت اسلامی ہند حلقہ دہلی وہریانہ کے شعبۂ خدمت خلق کے زیر اہتمام شہید نگر، ضلع غازی آباد میں سروس کیمپ ۲۷، ۲۸ر دسمبر کو منعقد کیا گیا۔ جس میں کارکنان جماعت نے انسانوں کی خدمت کے تعلق سے مختلف پروگرام اور سرگرمیوں میں حصہ لیا۔

۲۷ر دسمبر کو زیر صدارت امیر حلقہ ڈاکٹر محمد رفعت خطاب عام کا اہتمام کیا گیا جس میں حافظ محی الدین خاں نے سروس کیمپ کے تعلق سے ضروری تفصیلات پیش کرنے کے ساتھ اس کے مقصد واہمیت پر روشنی ڈالی۔ مفتی سہیل قاسمی نے "خدمت خلق کی اہمیت" کی ضرورت وافادیت کو سنت نبوی کی روشنی میں واضح کیا۔ صدارتی تقریر میں امیر حلقہ نے خدمت خلق کو دین کے اہم ترین کاموں کا حصہ بتایا اور امت مسلمہ کو اس کام میں فعال کردار ادا کرنے اور تعلیم، روزگار اور صحت کے شعبوں میں مسلمانوں کی زبوں حالی اور برادران وطن کے پچھڑے طبقات کی پسماندگی دور کرنے کے لئے اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی طرف توجہ مبذول کرائی۔

۲۸ر دسمبر کو نماز فجر کے بعد مفتی سہیل قاسمی کا درس قرآن ہوا۔ کیمپ کے دوران فری میڈیکل کیمپ لگایا گیا جس میں علاقے کے ضرورتمندوں کے لئے فری چیک اپ اور دواؤں کا نظم کیا گیا۔ اس کیمپ میں آٹھ ڈاکٹروں نے خدمات پیش کیں۔ میڈیکل کیمپ سے ۴۹۰ مریضوں نے استفادہ کیا۔ اس میں مرد، خواتین، بچے اور غیر مسلم بھی شامل ہیں۔ کیمپ کے دوران میں مدھرسندیش سنگم کی طرف سے کتابچے اور فولڈرس ہندی میں مفت تقسیم کئے گئے اور مرکزی مکتبہ اسلامی کا اسٹال بھی لگایا گیا۔ پورے پروگرام کے دوران کارکنان جماعت نے اجتماعی ملاقاتوں (گروپ میں) کے ذریعے تقریباً ۹۵۰ افراد سے ملاقاتیں کرکے سروس کیمپ اور میڈیکل کیمپ سے استفادے کی دعوت دی۔ کیمپ کے اختتام پر کارکنوں اور ڈاکٹر حضرات کی جائزہ نشست ہوئی جس میں پورے پروگرام کا جائزہ لیا گیا۔ اس موقع پر ناظم شعبۂ خدمت خلق جناب اطہر کریم قدوائی اور ناظم سروس کیمپ حافظ محی الدین خاں نے کارکنوں سے خطاب کیا۔

بہار میں جرائم پیشہ افراد کیخلاف قانونی کارروائی

پٹنہ۔ بہار میں فاسٹ ٹریک کورٹ کے ذریعہ سال ۲۰۰۸ء میں ریاست کی مختلف ذیلی عدالتوں نے ۲۴ ملزموں کو پھانسی، ۲۱۴۱ کو عمرقید اور ۵۷۴ قصورواروں کو دس برس سے زائد کی سزا سنائی ہے۔ تیز رفتار سماعت کے ذریعے عدالتوں میں گواہوں کی پیشی یقینی بنانے کی وجہ سے گزشتہ سال کافی اچھے نتائج سامنے آئے۔ بہار کی عدالتوں میں ۲۰۰۶ء میں جہاں ۶۸۳۹ ملزموں کو قصوروار قرار دیا گیا تھا وہیں ۲۰۰۷ء میں ۹۶۵۳ ملزموں کو اور ۲۰۰۸ء کے نومبر تک ۱۰۴۰۹ افراد کو مختلف مقدمات میں قصوروار ٹھہرایا گیا۔ سال ۲۰۰۶ء میں سترہ ملزمان کو پھانسی، ۱۳۶۹ کو عمرقید اور ۳۶۶ لوگوں کو دس برس سے زائد کی سزا سنائی گئی جبکہ ۲۰۰۷ء میں ۳۹ کو پھانسی، ۲۱۶۸ کو عمرقید اور ۶۸۰ کو دس برسوں سے زائد کی سزا سنائی گئی۔ تیز رفتار سماعت کے ذریعے اسی طرح ۲۰۰۸ء کے نومبر تک چوبیس ملزمان کو پھانسی، ۲۱۴۱ کو عمرقید اور ۵۷۴ قصورواروں کو دس سال سے زائد کی سزا سنائی گئی۔ اس کے علاوہ ۲۰۰۶ء میں دس برسوں سے کم سزا پانے والوں کی تعداد ۵۰۶۷ تھی، جو ۲۰۰۷ء میں بڑھ کر ۶۹۹۶ ہوگئی۔ اسی طرح ۲۰۰۸ء میں نومبر تک یہ تعداد ۷۶۷۰ تک پہنچ گئی۔ تیز رفتار سماعت کے ذریعے قتل، عصمت دری اور زنا دان کے لئے اغوا اور تعزیرات ہند کے مختلف دفعات کے تحت زیر التوا کئی سنگین جرائم کے مقدمات ۲۰۰۶ء میں ۲۱۷۸ معاملوں میں سے ۵۲۳۰ ملزموں کو، ۲۰۰۷ء میں ۳۶۹۵ معاملوں میں ۶۷۷۴ اور گزشتہ برس نومبر تک ۳۶۵۹ مقدمات میں ۹۳۸۲ ملزموں کو ریاست کی مختلف عدالتوں میں سزائیں سنائی گئیں۔ قتل، عصمت دری اور اغوا جیسے سنگین معاملوں پر خصوصی توجہ دینے کے ساتھ ہی اس منصوبے کے تحت ریاست کی مختلف عدالتوں میں اسلحہ ایکٹ کے تحت زیر التوا معاملوں کو نمٹایا گیا۔ نتیجے کے طور پر ۲۰۰۶ء میں اسلحہ ایکٹ کے ۱۱۵۶ معاملوں میں ۱۶۰۹ ملزموں کو ۲۰۰۷ء میں ۸۰۰ معاملوں میں ۱۱۵۴ لوگوں کو اور ۲۰۰۸ء میں نومبر تک ۶۵۰ معاملوں میں ۹۳۲ ملزموں کو مختلف عدالتوں نے خاطی قرار دیا۔ پٹنہ کے ڈپٹی پولیس سپرنٹنڈنٹ (جرائم) سی پی ودیارتھی نے بتایا کہ صرف ضلع پٹنہ میں ۲۰۰۸ء میں ۶۳۸ معاملوں میں ۱۳۲۰ ملزموں کو ذیلی عدالتوں نے قصوروار قرار دیا ہے جن میں سے چار لوگوں کو پھانسی اور ۱۵۶ لوگوں کو عمرقید کی سزا سنائی گئی ہے۔ پٹنہ کے سرکاری وکیل جے پرکاش سنگھ نے بتایا کہ تیز رفتار سماعت کی وجہ سے معاملات کو نمٹانے میں غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ ۲۰۰۷ء میں نپٹائے گئے ۴۰۸ معاملات کے مقابلے میں ۲۰۰۸ء میں صرف ضلع پٹنہ میں ۶۳۸ معاملات حل کئے گئے۔ سال ۲۰۰۸ء میں کئی اہم معاملے کا فیصلہ کیا گیا جن میں ریاست میں زور آور لیڈروں کے معاملات بھی شامل ہیں۔ مارکسی کمیونسٹ پارٹی (سی پی آئی۔ ایم) کے ممبر اسمبلی اجیت سرکار قتل کے معاملے میں ۱۵رفروری ۲۰۰۸ء کو ممبر پارلیمنٹ راجیش رجن عرف پپو یادو اور سابق ممبر اسمبلی رجنن تیواری کو عمرقید کی سزا سنائی گئی۔ جنتا دل یونائیٹڈ کے معطل رکن اسمبلی سنیل پانڈے کو ۱۷ر دسمبر ۲۰۰۸ء کو ریاست کے مشہور نیوروسرجن ڈاکٹر رمیش چندرا کے اغوا کے جرم میں عمرقید کی سزا سنائی گئی۔ گزشتہ سال نمٹائے گئے اہم معاملات میں پٹنہ یونیورسٹی کے پروفیسر پوپیا گھوش کا ڈکیتی کے دوران قتل کا معاملہ بھی شامل رہا۔ اس معاملے میں ایک خاطی کو پھانسی کی سزا اور تین دیگر کو عمرقید کی سزا سنائی گئی۔ دوسری طرف مسوڑی تھانہ علاقے میں چار دلتوں کے اجتماعی قتل کے معاملے میں خاطی قرار دیتے ہوئے تین لوگوں کو پھانسی کی سزا سنائی گئی۔ سال ۲۰۰۸ء میں حل کئے گئے معاملات میں اترپردیش کے سابق گورنر بھیشم نارائن سنگھ کے نواسے وکرانت کا پٹنہ میں زرفدیہ کے لئے کئے گئے اغوا کا معاملہ بھی شامل ہے جس میں آٹھ لوگوں کو عمرقید کی سزا سنائی گئی۔ اس کے علاوہ ایک اسکولی طالبہ شویتا گی کے اغوا کا بھی مشہور معاملہ رہا جس میں عدالت نے شویتا گی کے ماموں سمیت چھ لوگوں کو عمرقید کی سزا سنائی۔ زرفدیہ کے لئے کئے گئے اغوا کے دیگر مشہور معاملے راہل اغوا معاملہ، اتم اغوا معاملہ اور روی اغوا معاملے میں خاطی کو عمرقید کی سزا سنائی گئی ہے۔

آل بہار وجھارکھنڈ تحریری مقابلہ

مونگیر۔ رحمانی فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان حکومت ہند کے تعاون سے جدوجہد آزادی کے موضوع پر کل ہند سیمینار ۲۱ر تا ۲۳ رفروری منعقد ہوگا۔ جس میں ممتاز تاریخ داں، دانشور اور علمائے کرام شرکت کریں گے۔ اس موقع پر بہار وجھارکھنڈ کے طلبہ واساتذہ کے مابین ایک تحریری مقابلہ بھی منعقد ہوگا۔ طلبہ کے لئے (۱) جنگ آزادی میں علمائے کرام کی قربانیاں (۲) جنگ آزادی میں مسلم حکمرانوں کا کردار (۳) آزادی کی جدوجہد کی ابتداء بنگال اور بہار میں اور اساتذہ کیلئے (۱) ۱۸۵۷ء سے پہلے آزادی کی جنگ اور زبان وادب (۲) جنگ آزادی میں مدارس اسلامیہ اور خانقاہوں کا رول (۳) شاملی کی جدوجہد آزادی جیسے عناوین کا تعین کیا گیا ہے۔ اول، دوم اور سوم آنے والے اساتذہ کو پانچ، تین اور دو ہزار روپے جبکہ طلباء کو تین اور ایک ہزار روپے بطور انعام دیے جائیں گے۔ مقالات کا ۱۰ر فروری تک پہنچنا لازمی ہے۔ مقالات فل اسکیپ سے زائد نہ ہوں۔ دیگر تفصیلات کے لئے ذیل کے پتے پر رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

دعائے مغفرت

● رام پور۔ جامعۃ الصالحات رامپور کے قدیم استاد (انگریزی) ماسٹر لطیف احمد خاں کا ۳۰ر دسمبر کو انتقال ہوگیا۔ عبدالسلام بستوی

● آکوٹ: میری والدہ محترمہ طویل علالت کے بعد ۲۹ر دسمبر کو انتقال فرما گئیں۔

عبدالستار شیخ بابا
پرنسپل اردو جونیئر کالج آکوٹ

مرحومین کیلئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے

تحریکی ادب

سرمایۂ انسانیت

بنیادی انسانی اخلاقیات سے مراد وہ اوصاف ہیں جن پر انسان کے اخلاقی وجود کی اساس قائم ہے۔ ان میں وہ تمام صفات شامل ہیں جو دنیا میں انسان کی کامیابی کے لئے بہرحال شرط لازم ہیں، خواہ وہ صحیح مقصد کے لئے کام کر رہا ہو یا غلط مقصد کے لئے۔ ان اخلاقیات میں اس سوال کا کوئی دخل نہیں ہے کہ آدمی خدا اور وحی اور آخرت کو مانتا ہے یا نہیں، طہارت نفس اور نیت خیر اور عمل صالح سے آراستہ ہے یا نہیں، اچھے مقصد کے لئے کام کر رہا ہے یا برے مقصد کے لئے۔ قطع نظر اس سے کہ کسی میں ایمان ہو یا نہ ہو اور اس کی زندگی پاک ہو یا ناپاک، اس کی سعی کا مقصد اچھا ہو یا برا، جو شخص اور جو گروہ بھی اپنے اندر وہ اوصاف رکھتا ہوگا، جو دنیا میں کامیابی کے لئے ناگزیر ہیں وہ یقیناً کامیاب ہوگا، اور ان لوگوں سے بازی لے جائے گا جو ان اوصاف کے لحاظ سے اس کے مقابلے میں ناقص ہوں گے۔

مومن ہو یا کافر، نیک ہو یا بد، مصلح ہو یا مفسد، غرض جو بھی ہو، وہ اگر کارگر انسان ہوسکتا ہے تو صرف اسی صورت میں جبکہ اس کے اندر ارادے کی طاقت اور فیصلے کی قوت ہو، عزم اور حوصلہ، صبر وثبات اور استقلال ہو، تحمل اور برداشت ہو، ہمت اور شجاعت ہو، مستعدی اور جفاکشی ہو، اپنے مقصد کا عشق اور اس کے لئے ہر چیز قربان کردینے کا بل بوتا ہو، حزم واحتیاط اور معاملہ فہمی وتدبر ہو، حالات کو سمجھنے اور ان کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنے اور مناسب تدبیر کرنے کی قابلیت ہو، اپنے جذبات وخواہشات اور ہیجانات پر قابو ہو اور دوسرے انسانوں کو موہنے اور ان کے دل میں جگہ پیدا کرنے اور ان سے کام لینے کی صلاحیت ہو۔ پھر ناگزیر ہے کہ اس کے اندر وہ شریفانہ خصائل بھی کچھ نہ کچھ موجود ہوں، جو فی الحقیقت جوہر آدمیت ہیں اور جن کی بدولت آدمی کا وقار واعتبار دنیا میں قائم ہوتا ہے۔ مثلاً خودداری، فیاضی، رحم، ہمدردی، انصاف، وسعت قلب ونظر، سچائی، امانت، راست بازی، پاس عہد، معقولیت، اعتدال، شائستگی، طہارت ونظافت اور ذہن ونفس کا انضباط۔

یہ اوصاف اگر کسی قوم یا گروہ کے بیشتر افراد میں موجود ہوں تو گویا یوں سمجھئے کہ اس کے پاس وہ سرمایۂ انسانیت موجود ہے، جس سے ایک طاقتور اجتماعیت وجود میں آسکتی ہے لیکن یہ سرمایہ مجتمع ہوکر بالفعل ایک مضبوط ومستحکم اور کارگر اجتماعی طاقت نہیں بن سکتا جب تک کچھ دوسرے اخلاقی اوصاف بھی اس کی مدد کو نہ آئیں، مثلاً تمام یا بیشتر افراد کسی اجتماعی نصب العین پر متفق ہوں اور اس نصب العین کو اپنی انفرادی اغراض، بلکہ اپنی جان، مال اور اولاد سے بھی عزیز تر رکھیں۔ ان کے اندر آپس کی محبت اور ہمدردی ہو، انہیں مل کر کام کرنا آتا ہو۔ وہ اپنی خودی ونفسیات کو کم از کم اس حد تک قربان کرسکیں جو منظم سعی کے لئے ناگزیر ہے۔ وہ صحیح وغلط رہنما میں تمیز کرسکتے ہوں اور موزوں آدمیوں ہی کو اپنا رہنما بنائیں۔ ان کے رہنماؤں میں اخلاص اور حسن تدبیر اور رہنمائی کی دوسری ضروری صفات موجود ہوں اور خود قوم یا جماعت بھی اپنے رہنماؤں کی اطاعت کرنا جانتی ہو۔ ان پر اعتماد رکھتی ہو اور اپنے تمام ذہنی، جسمانی اور مادی ذرائع ان کے تصرف میں دے دینے پر تیار ہو۔ نیز پوری قوم کے اندر ایسی زندہ اور حساس رائے عام پائی جاتی ہو جو کسی ایسی چیز کو اپنے اندر پنپنے نہ دے جو اجتماعی فلاح کے لئے نقصاندہ ہو۔

(مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، اسلامی زندگی اور اس کے بنیادی تصورات)

امریکی جاسوسی ادارے کے طور طریقے

نیر زیدی (واشنگٹن)

آپ اپنے اوپر جمہوریت برانڈ پینٹ (Paint) کا چاہے جتنا ملمع چڑھالیں اور ڈیموکریسی کی کوئی بھی نقاب اوڑھ لیں، آپ کا طرز عمل، عادت واطوار یہ بتادیتے ہیں کہ آپ کا ذہن ودماغ کتنا آمرانہ ہے اور آپ کا دل کتنا سفاک ہے۔ اعلیٰ سرکاری عہدیداروں کی مطلق العنانی کا اظہار اس بات سے ہوتا ہے کہ وہ اپنے مزاج کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کرتے۔ ایسی بات کرنے والے افراد کو ''ٹھیک'' کرنے کے لئے وہ تمام وسائل اور اختیارات جو عوام کی امانت ہوتے ہیں، انتقام کی آگ میں جھونک دیے جاتے ہیں۔ ان لوگوں کا معیار قانون اپنا ذاتی مزاج ہوتا ہے۔ ایف بی آئی کے سب سے طویل عرصے تک ڈائریکٹر رہنے والے جے ایڈ گرہوور اسی قسم کے آدمی تھے۔ ان کا انتقال ۱۹۷۲ء میں ہوا۔ اس سے پہلے کسی صدر کی یہ مجال نہیں تھی کہ وہ انہیں برطرف کرے۔ انھوں نے کس طرح شہری حقوق کے لیڈر مارٹن لوتھر کنگ کی کردارکشی کی، یہ اب تاریخ کا حصہ ہے۔ تازہ ترین انکشاف مشہور انعام یافتہ امریکی مصنف اور ناول نگار نارمن میلر کے بارے میں ہے۔ ایف بی آئی سے یہ کاغذات ''واشنگٹن پوسٹ'' نے فریڈم آف انفارمیشن ایکٹ کے تحت حاصل کئے ہیں۔ یہ امریکہ کا ایک قانون ہے، جس کے تحت آپ سرکاری ریکارڈ سے اپنے بارے میں یا کسی بھی موضوع پر انفارمیشن حاصل کرسکتے ہیں۔ آپ عام شخص ہیں تو آپ کو ٹالا بھی جاسکتا ہے لیکن بڑے اداروں اور ان کے طاقتور وکلاء سے عموماً زور آزمائی کم ہی کی جاتی ہے۔

ڈائریکٹر ہوور ۱۹۶۲ء کے موسم گرما میں اخبار پڑھ رہے تھے کہ انھوں نے مشہور رسالے ایسکوائر میگزین میں نارمن میلر کے مضمون کا حوالہ پڑھا۔ یہ اس وقت کی فرسٹ لیڈی یا خاتون اول جیکولین کینیڈی پر ایک طنزیہ مضمون تھا۔ دوسرے مشاہدات کے ساتھ ایک بات یہ بھی کہی گئی تھی کہ وہ اتنی نرمی سے بات کرتی ہیں کہ جو فرسٹ لیڈی کے لئے مناسب نہیں۔ یہ کوئی سنجیدہ تنقید نہیں تھی اور نہ ہی اس میں برائی کا کوئی پہلو تھا۔ جان ایف کینیڈی سے پہلے جو تین افراد صدر تھے، ان کی بیویاں بوڑھی خرانٹ خواتین تھیں۔ تاریخ میں یہ خواتین اپنے مضبوط اور تحکمانہ انداز کے لئے مشہور تھیں۔ ایک سابق فرسٹ لیڈی ہلیری کلنٹن کے لئے بھی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ان کا لہجہ یا انداز گفتگو بہت نرم ہے۔ جیکولین کینیڈی نسبتاً نوجوان تھیں، ان کی آواز نرم اور شیریں تھی، دراصل یہ طنز میں لپٹی ہوئی تعریف تھی۔ ہوور صاحب نے فوراً اخبار پر ایک نوٹ لکھ کر اپنے اسٹاف کو دیا کہ مجھے میلر پر یادداشت چاہئے۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب تھا کہ مجھے اس شخص کا کچا چٹھا فراہم کرو۔ چنانچہ میلر کی باقاعدہ نگرانی شروع ہوگئی جو پندرہ برس جاری رہی یعنی ۱۹۷۲ء میں ہوور کی موت کے بعد مزید پانچ سال تک۔ میلر کا انتقال ۲۰۰۷ء میں گردوں کے فیل ہوجانے سے ہوا، اس وقت ان کی عمر ۸۴ برس تھی۔ ان کی پہلی مشہور کتاب کا عنوان تھا: ''دی نیکیڈ اینڈ دی ڈیڈ''۔ ہوور کے حکم کے بعد میلر کی تحریروں اور تقریروں کی نگرانی شروع ہوگئی۔ امریکہ میں ہر گھر کے سامنے ایک میل بکس ہوتا ہے۔ پوسٹ مین یا ڈاکیہ آپ کے آنے والے خطوط اس میں رکھ دیتا ہے۔ اگر آپ کو خطوط بھیجنا ہوں تو وہ بھی آپ ٹکٹ لگا کر اسی بکس میں رکھ دیں، وہ پوسٹ آفس لے جائے گا۔ ایجنٹوں نے روزانہ اس بکس کی چیکنگ شروع کردی۔ کس کا خط آیا اور کس کا خط یا کرسمس کارڈ بھیجے گئے، پھر اس فہرست میں درج افراد کی نگرانی شروع ہوگئی۔ جب یہ ایجنٹ میلر کے بارے میں انفارمیشن جمع کرکے آتے تھے تو اس معلومات پر ''سیکریٹ، کلاسی فائڈ اینڈ سب ورسیو کنٹرول'' کی مہر لگی ہوتی تھی۔ اس زمانے میں سب ورسیو اتنا ہی سنگین تھا، جتنا آج ٹیررسٹ ہے۔ ایجنٹ مختلف بھیس بدل کر میلر کے دروازے پر آتے اور ان سے بات کرتے۔ ایک دفعہ ایک ایجنٹ ان کے والد سے بھی ملنے گیا۔ ہوور کی موت کے بعد ۱۰ر اگست ۱۹۷۶ء کو ایک ایجنٹ نے رپورٹ دی کہ میلر کا میل بکس خطوط سے بھرا ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انھوں نے اپنی ڈاک عرصے سے وصول نہیں کی، کیوں نہیں کی؟ وہ کہاں غائب ہیں......؟ بعد میں پتہ چلا کہ وہ چھٹیاں گزارنے باہر گئے ہوئے تھے۔

ہوور کی نگرانی کے آرڈر کے بعد ایف بی آئی کی پہلی رپورٹ (مورخہ ۲۹ر جون ۱۹۶۲ء) میں یہ انکشاف کیا گیا کہ میلر نے خود اعتراف کیا ہے کہ وہ ''بائیں بازو'' کا ہے۔ یہ اطلاع بھی تھی کہ نیویارک میں پولینڈ کے قونصل خانے نے میلر کو ایک استقبالیے میں مدعو کیا تھا۔ کب مدعو کیا تھا؟...... ۱۹۵۳ء میں!! رپورٹ کے وقت کونسا سال چل رہا تھا؟ ۱۹۶۳ء۔ اگر یہ اطلاع صحیح بھی تھی تو اس کا مطلب یہ بھی تھا کہ یہ شخص ۹ برس سے کسی کمیونسٹ سفارتی استقبالیے میں نہیں گیا اور ۱۹۵۳ء کی اطلاع اس لئے مشکوک ہے کہ ان دنوں تاریک الدماغ سینیٹر جوزف میکارتھی کی مہم چل رہی تھی، جس میں تمام لبرل خیالات کے افراد کے خلاف جھوٹی باتیں گھڑی جارہی تھیں۔

ایف بی آئی کے ایجنٹ بھیس بدل کر میلر کے بارے میں پوچھ گچھ کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک صاحب نے ان کے گھر پر دستک دی۔ ایجنٹ نے ظاہر کیا کہ وہ اس ایڈریس پر ۱۹۵۰ء میں رہنے والے شخص کی تلاش میں تھا۔ مقصد اس بات کی تصدیق کرنا تھا کہ میلر شہر میں ہیں۔ یہ تو حاضر سروس ایجنٹوں کی کارروائیاں تھیں جو وہ اپنے باس مسٹر ہوور کے احکام پر کررہے تھے۔ ہوور ۱۹۷۲ء میں انتقال کرگئے۔ ۱۹۷۳ء میں ایف بی آئی کے ایک سابق افسر نے بیورو کو خفیہ اطلاع فراہم کی کہ پریڈ میگزین کے لائیڈ شیریئر نے انہیں بتایا کہ میلر نے اداکارہ مارلن منرو پر حال ہی میں کتاب مکمل کی ہے۔ اس سابق ایجنٹ نے بتایا کہ اس کتاب میں میلر یہ الزام لگارہے ہیں کہ ۱۹۶۲ء میں منرو کی موت کے پراسرار حالات کی پردہ پوشی میں ایف بی آئی کا ہاتھ تھا۔ ''پریڈ'' امریکہ کے بڑے بڑے اخباروں کے ساتھ تقسیم ہوتا ہے یعنی یہ ''ٹائم'' یا ''نیوز ویک'' کی طرح الگ شائع نہیں ہوتا۔ آج کل کے حالات میں آپ غور کریں کہ کس قدر احتیاط کی ضرورت ہے۔ ''پریڈ'' کے صحافی کو احساس ہونا چاہئے تھا کہ اگر اسے دوسرے کسی لکھنے والے کے بارے میں کوئی ایسی بات معلوم ہوئی ہے جو ابھی پبلک میں نہیں آئی ہے تو ایسی بات کسی خفیہ ادارے کو نہیں بتانی چاہئے لیکن ہمارے معاشرے میں اور ہر معاشرے میں بے شمار ایسے عام لوگ اور صحافی ہیں جو کوتوال شہر اور خفیہ اداروں سے نمبر بنانے کے چکر میں رہتے ہیں۔ اس پرآشوب دور میں طاقتور افراد اور اداروں سے سودے سخن فہمی کی بنیاد پر کم اور طرفداری کی بنیاد پر زیادہ ہوتے ہیں۔ مارلن منرو کی موت تو ایک ایکٹریس کی موت تھی۔ ایکٹریسوں کے ڈپریشن کو سمجھا جاسکتا ہے لیکن خودکشی کی تحقیقات ضروری ہے تاکہ اگر قتل ہو تو قاتل بچ نہ نکلے۔ ۱۹۶۷ء میں ایک رپورٹ میں الزام تھا کہ میلر کیوبا کے دارالحکومت ہوانا ایک کانفرنس میں گئے تھے۔ ان کے ساتھ دو صحافی بھی تھے۔ یہ دستاویزات ملنے کے بعد مضمون کی اشاعت سے پہلے ''واشنگٹن پوسٹ'' نے ان میں سے ایک صحافی سے رابطہ کیا تو انھوں نے اس بات کی تردید کی کہ وہ ہوانا کسی کانفرنس میں گئے تھے۔ اس مضمون کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جو طریقے چالیس، پچاس برس پہلے استعمال ہوتے تھے، وہ اب بھی ہورہے ہیں۔ خلیج گوانتانامو میں پانچ برس اور مجموعی طور پر سات برس سے امریکی قید میں چھ الجزائری مسلمانوں نے واشنگٹن کی وفاقی عدالت میں حبس بیجا کی اپیل کی اور عدالت نے چھ میں سے پانچ کی رہائی کا حکم دے دیا۔ ان کے خلاف فرد جرم کی بنیاد صرف ایک خفیہ مخبر کے بیان پر تھی جس کی کسی اور ذریعے سے تصدیق نہیں ہوئی۔ حکومت نے بند کمرۂ عدالت میں بھی ایک سماعت کے دوران جج کو اس ذریعے کی شناخت بتانے سے انکار کردیا۔ میلر کی تحقیقات پر ٹیکس دہندگان کے قیمتی وسائل برباد ہوئے کیونکہ فرسٹ لیڈی جیکولین کینیڈی کے بارے میں میلر کا ایک جملہ ہوور کو ناگوار گزرا تھا حالانکہ وہ جان ایف کینیڈی کے مداح تھے، نہ فرسٹ لیڈی کے۔ ۱۹۶۸ء میں شکاگو میں ڈیموکریٹک پارٹی کے صدارتی نامزدگی کے قومی کنونشن میں ویت نام کی جنگ اور صدر جانسن کی جنگی پالیسیوں کے خلاف مظاہرین نے بڑے مظاہرے کئے تھے، جن سے افراتفری کا ماحول پیدا ہوگیا تھا۔ اس کے بارے میں میلر نے ایک کتاب لکھی تھی: "Miami and The Siege of Chicago"۔ اس کتاب پر ایک ایجنٹ نے پانچ صفحوں کا ایک تبصرہ ڈائریکٹر صاحب کے لئے لکھا۔ اس تبصرے میں بتایا گیا کہ پوری کتاب میں ایف بی آئی کا نام چھ مرتبہ لیا گیا تھا، اس سے آپ ''کارکردگی'' کا اندازہ لگاسکتے ہیں۔ ●●

بقیہ:...... الیکٹرانک میڈیا اور تعلیم

بدلنا، اس کو پھیلانا وغیرہ یہ تمام ہدایات سو فی صد ریاضیاتی پس منظر رکھتی ہیں۔ اور کمپیوٹر کو اس قسم کی ہر ہدایت پر عمل کرنے کے لیے بے شمار ریاضیاتی تحسیبات کرنی پڑتی ہیں۔

کمپیوٹر کے استعمال کا ایک نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ استعمال کنندہ ڈسپلن کو اہمیت نہیں دیتا۔ وہ لاپروائی کا شکار ہوجاتا ہے۔ کمپیوٹر کے کام کا ماحول قطعی ذہنی اور دماغی ہوتا ہے اور حقیقی دنیا پر اس لاپرواہی کے اثرات نہ تو جلدی سامنے آپاتے ہیں اور نہ وہ کچھ خطرناک ہوتے ہیں۔ جبکہ اس کے مقابلے میں مثال کے طور پر کار، اسکوٹر یا سائیکل چلاتے وقت اگر ہم لاپرواہی سے کام لیں تو حادثے کا شکار ہوسکتے ہیں اور اس کا طبعی نتیجہ ہمیں بھگتنا پڑسکتا ہے۔ کمپیوٹر کام کا ایک ایسا ماحول بناتا ہے جہاں ہر غلطی کو درست کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے ہم نہایت لاپروائی کے ساتھ اس کو برتتے ہیں۔ ایک خط لکھنے کی مثال لیجئے۔ اگر ہم قلم اور کاغذ لے کر اپنے ہاتھ سے کسی خط کو تحریر کرنے بیٹھیں تو نہایت احتیاط سے کام لیں گے اور شروع ہی سے کوشش کریں گے کہ غلطیاں نہ ہوں۔ کیونکہ غلطیوں کے نتیجے میں کانٹ چھانٹ ہوگی اور خط کی تحریر بدنما ہوجائے گی۔ کسی جملے یا پیراگراف کی جگہ وغیرہ تبدیل کرنے کے بارے میں تو سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ لیکن کمپیوٹر کی مدد سے خط لکھتے وقت کوئی مشکل نہیں ہوتی۔ ہر غلطی کو اسکرین پر درست کیا جاسکتا ہے۔ الفاظ کے ہجے چیک کئے جا سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ گرامر کی غلطیوں کی نشاندہی بھی سافٹ ویئر کرتا ہے۔ الفاظ، جملے یا پیراگراف کو بلا تکلف ان کے مقام سے ہٹایا جاسکتا ہے۔ نئے الفاظ درمیان میں داخل کیے جا سکتے ہیں اور غیر مطلوبہ الفاظ کو آسانی سے حذف کیا جاسکتا ہے۔ اس سے خط کی تحریر پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کانٹ چھانٹ بالکل نہیں ہو پاتی۔ ان ہی اسباب کی بنا پر پہلے سے منصوبہ بندی کو ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ اسی لیے وہ چاہے کمپیوٹر کے عام استعمال کنندہ ہوں یا پروگرامر سب کے سب ذہنی لاپرواہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کمپیوٹر کو استعمال کرتے ہیں۔ کمپیوٹر پروگرامر بھی پروگرام بناتے وقت ضروری توجہ کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ حالانکہ اصولی طور پر ان کو پہلے سے کسی پروجیکٹ کا مکمل تجزیہ کرکے خاکہ تیار کرنا چاہئے اور پروگرام کی جانچ بھی مناسب طریقے سے کرنی چاہئے۔ لیکن شاید ہی کوئی پروگرامر ان اصولوں پر کما حقہ عمل کرتا ہوگا۔ اگر کسی دوسری مشین کے ساتھ یہ معاملہ کیا جائے تو قدم قدم پر حادثات پیش آئیں گے۔ لاپروائی سے کار چلائی جائے تو جان جانے کا خطرہ ہوگا۔ کمپیوٹر چلانے میں اس قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ اس لیے اس کے استعمال میں حد درجہ لاپروائی کا مظاہرہ کیا جا سکتا ہے اور انسانی ذہن اس لاپروائی کا خوگر ہوجاتا ہے۔

کمپیوٹر اور تعلیم

کمپیوٹر کو تعلیم و تعلم کے عمل میں استعمال کرنے اور طالب علموں کو اس کے استعمال کا موقع دینے کی افادیت سے قطعاً انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس میں بنیادی سوال یہ ہے کہ طلبہ کو کس عمر میں کمپیوٹر کے استعمال سے متعارف کرانا مفید ثابت ہوگا؟ اس سوال کے جواب کے لیے ہمیں بچوں اور نوجوانوں کی عمروں کے مطابق ان کے ذہنی ارتقاء کے مدارج کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ اس سلسلے میں سب سے مقبول نظریہ روڈلف اسٹینر (Rudalf Steiner) کا پیش کردہ ہے۔ جس کے مطابق ہر انسان کے ذہنی ارتقا کے تین مدارج ہیں اور ہر ایک کا دورانیہ سات سال کا ہے۔

عمر کے ابتدائی سات سال کے دوران بچہ اپنے وجود اور ماحول کے فرق کو محسوس کرنے کے بالکل قابل نہیں ہوتا۔ وہ اپنے ہر تصور کو حقیقت سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک ہر شے میں زندگی پائی جاتی ہے۔ بچے کے ہر عمل پر اس کی خواہش کی حکمرانی ہوتی ہے۔ بچہ ہر وہ کام کرنا چاہتا ہے جس کو اس کا دل چاہے۔ اس مرحلے میں اس کی تعلیم و تربیت، تصورات کے ذریعے، نغمگی کے ذریعے اور نقل کے ذریعے ہوتی ہے۔ یہاں ذہن پر زور دینے والی کسی تدریسی سرگرمی کا موقع نہیں ہے۔ البتہ کہانیوں کے ذریعے ان کے تخیلات کو جلا دی جاسکتی ہے۔ کھیل کھیل میں اور نہایت ہی آسان دست کاری کے کام ان کی تعلیم وتربیت میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ماں ہی ان کی ٹیچر ہوتی ہے۔ اس مرحلے میں انہیں پڑھنا لکھنا سکھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کی بجائے اس مرحلے میں بچوں کی بنیادی طبعی صلاحیتوں۔ حرکت وعمل میں ہم آہنگی سے چلنا۔ بولنا۔ مقام بندی وغیرہ کو مضبوط کیا جانا چاہئے۔ عمر کے اس مرحلے کا اختتام عموماً اس وقت ہوتا ہے۔ جب بچے کے دودھ کے دانت ٹوٹنے لگتے ہیں اور نئے دانت نکلنے لگتے ہیں۔

طفولیت کا دوسرا مرحلہ سات سے چودہ سال کی عمر کا ہے۔ اس عمر میں اس کی طبعی وجسمانی بنیاد بن چکی ہوتی ہے۔ اب وہ اپنی ذہنی صلاحیتوں کو استعمال کرسکتا ہے۔ لیکن ابھی مجرد غیر مرئی تصورات کو ذہن نشین کرنے کا زمانہ شروع نہیں ہوا۔ اس عمر میں اسے وہ تصورات سیکھنے چاہئیں جن کا تعلق مرئی دنیا اور بچے کے ماحول سے ہے۔ اس عمر میں ہر مضمون کو جمالیاتی اور فنی پہلو لیے ہوئے ہونا چاہئے۔ ریاضی جیسے مضامین کا بھی گہرا ربط حقیقی دنیا سے اور ماحول سے ہونا چاہئے۔ اس میں جمالیاتی پہلو ابھارنا چاہئے۔ جن کو آسانی سے بچے تخیلی شکل دے سکیں۔ اس عمر میں جیومیٹری کی تعلیم بہت مفید ہوتی ہے۔ سائنس میں اہمیت اس بات کی ہے کہ حقائق کا مشاہدہ کریں اور ان کو بیان کریں۔ مجرد بیان کے ذریعے ان کو سمجھانے کا کوئی خاص فائدہ نہیں۔ ہر چیز زندگی کے قریب ہونی چاہئے۔ اس کی ایک مثال ہے جزیرے کی تعریف۔ اگر صرف اتنا بتادیا جائے کہ زمین کا وہ ٹکڑا جزیرہ ہے جس کے ہر طرف پانی ہے تو نہ صرف یہ کہ وہ ناکافی ہے بلکہ درست بھی نہیں ہے۔ کیونکہ جزیرے کے اوپر کی طرف اور اکثر نیچے کی طرف بھی پانی نہیں ہوتا۔ اس کی بجائے ایک کہانی کے ذریعے بتایا جائے کہ ایک مسافر سمندر میں کشتی کے ڈوبنے کی وجہ سے ایک مقام پر پہنچا اور وہاں سے درخت کے سائے میں کچھ دیر آرام کرنے کے بعد جب وہ ایک سمت چلا تو اسے پانی ملا۔ پلٹ کر دوسری طرف آیا تب بھی پانی ہی ملا۔ اس طرح ہر طرف اسے پانی ہی ملا۔ سوائے اس زمین کے جس پر اس کے قدم تھے۔ اس طرح اس عمر میں بچوں کو کسی نئی چیز کو تصور میں لانے کے لیے اس طرح کی چھوٹی بڑی کہانیاں سنائی جاسکتی ہیں۔ ہر طرح کے تصور کا رشتہ زندگی کے ساتھ جوڑا جاسکتا ہے۔

سات سال کی عمر میں بچوں کو نماز کے لیے ساتھ لے جانے کا حکم بھی اسی لیے ہے کہ وہ عبادات اور خدا کے مجرد تصور کو زندگی کے ساتھ مربوط کرسکیں۔ اس عمر میں اگر ہم ان کو خدا کے تصور سے آشنا کردیں اور ان کے ذہن میں یہ تخیل پیدا کردیں کہ خدا انہیں دیکھ رہا ہے۔ تو خدا پرستی کا تصور نہایت مضبوطی کے ساتھ ان کے ذہن نشین ہوجائے گا۔ اس عمر میں ایسے اساتذہ اور معلمات بچوں کو میسر آنے چاہئیں جو زندگی معاشرے اور قدرت کے مظاہر کی وسیع معلومات رکھتے ہوں۔ اسے ایک سچا آرٹسٹ ہونا چاہئے۔ اس میں ہر بچے کے ذہن کو پڑھنے کی صلاحیت ہونی چاہئے۔ اور ان کی صلاحیتوں کو جلا دینے کی صلاحیت ہونی چاہئے۔ یہاں درس وتدریس کا عمل کوئی سائنس نہیں بلکہ ایک آرٹ اور فن ہے۔ ہمارے بڑے بوڑھے اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ ان کے زمانے میں عام طور پر سات سال کی عمر سے پہلے بچے کو لکھنے اور جوڑنے گھٹانے کی مشق نہیں کرائی جاتی تھی۔ سات سال کی عمر کے بعد کا زمانہ ہی ان کاموں کے لیے مناسب سمجھا جاتا تھا۔

تیسرا تعلیمی مرحلہ جو چودہ سے اکیس سال کی عمر کا ہوتا ہے۔ اس میں بلوغت کی ابتداء ہوتی ہے۔ آج کل الیکٹرانک میڈیا کے بے تحاشا استعمال کے طفیل بچے وقت سے پہلے بالغ ہوجاتے ہیں۔ اس مرحلے میں تخیلی تفکر کا آغاز ہوتا ہے۔ یہاں انسان مجرد تصورات کا ادراک کرسکتا ہے۔ یہاں کسی بھی چیز کے تخیلی خاکے کی بنیاد ڈالی جاسکتی ہے۔ منطقی استدلال کا طریقہ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ گزشتہ مرحلے میں گیند کو پھینکنے کا مشاہدہ کر کے آنکھوں سے دیکھا جا سکتا تھا کہ وہ فضا میں ایک کمان کی شکل کے راستے میں حرکت کرتا ہے۔ اس مرحلے میں اسے ریاضیاتی اصولوں کے ذریعے اس کے اسباب بتائے جا سکتے ہیں۔ طبعی، حیاتیاتی، جغرافیائی، کیمیائی اور تاریخی حقائق کا صرف مشاہدہ اور بیان ہی نہ ہو بلکہ ان کی بنیادوں کو سمجھنے کی بھی کوشش کی جائے۔ پندرہ سال کی عمر میں ریاضی کے مسائل کو ثابت کرنے کی مشق دی جاسکتی ہے۔ اس مرحلے میں اساتذہ اپنے میدان کے ماہرین ہونے چاہئیں۔

ان تین مراحل کے بیان کے بعد اب کمپیوٹر اور تعلیم کے ربط اور اس کی افادیت کی طرف لوٹیں۔ یہاں اصل سوال یہی ہے کہ کمپیوٹر کی تعلیم شروع کرنے کے لیے اس کے استعمال کا صحیح وقت کیا ہے؟ ہم دیکھ چکے ہیں کہ کمپیوٹر ایک مجرد مشین ہے۔ جس کے چلانے والے کو رسمی، مجرد، منطقی، علامتی فکر کے استعمال پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ گزشتہ سطور میں بیان کئے گئے ذہنی ارتقا کے مراحل کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ کمپیوٹر کا صحیح استعمال دوسرے مرحلے کے بعد، تیسرے مرحلے کی ابتداء سے یا زیادہ سے زیادہ دوسرے مرحلے کے درمیان سے یعنی تقریباً گیارہ سال کی عمر سے شروع کرنا زیادہ مناسب ہوتا ہے۔ جب بچہ معلوم سے نامعلوم اور مجرد تصورات کی منزل کی طرف رفتہ رفتہ بڑھنا شروع ہوتا ہے۔ اس سے قبل کمپیوٹر کا استعمال غیر مناسب ارتقاء کا باعث ہوگا۔ یا طالب علم اس کو صرف ٹی وی کی طرح یا ویڈیو گیم کے لیے استعمال کرنے کا عادی ہوگا۔ جو اس کے ذہنی ارتقاء کے لیے رکاوٹ ثابت ہو سکتا ہے۔ اسٹینر Steiner اور گویٹھ Goethe نے یہ بات بیان کی ہے کہ الیکٹرانک میڈیا کے وقت سے پہلے استعمال کی وجہ سے دماغی صلاحیتوں کو جو نقصان پہنچتا ہے اس وجہ سے بعد کی زندگی میں بھی وہ غلطیاں ہوتی ہیں جو عموماً نہیں ہونی چاہئیں۔ طلبہ ہجے غلط کرتے ہیں۔ گرامر کے اصولوں کو نہیں برتتے۔ اس کا اثر ان کی عملی زندگی پر بھی پڑتا ہے۔

ایک مثال لیجئے۔ آج دنیا بھر کے طبی ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ ایک نارمل بچے کو چلنا سکھانے کے لیے اگر مصنوعی سہاروں یعنی Walker وغیرہ کا استعمال کروایا جائے ان کی صحت کے لیے نقصان دہ ہوسکتا ہے۔ چلنا سیکھنے کا عمل ایک فطری عمل ہے۔ کوئی نارمل اور صحت مند بچہ دنیا میں ایسا نہیں ہے، جس نے چلنا خود بخود نہ سیکھ لیا ہو۔ یہ ضرور ہے کہ ہر بچہ چلنا سیکھنے کے لیے اپنا انفرادی وقت لیتا ہے۔ کوئی جلدی چلنے لگتا ہے کوئی دیر سے۔ یعنی جب بچے کے عضلات اس لائق ہوجاتے ہیں، وہ اپنے اعضاء کی حرکتوں میں مطابقت پیدا کرنے کے قابل ہو جاتا ہے اور جب وہ دوسروں کو چلتے ہوئے دیکھتا ہے تو وہ خود اپنی کوشش کرکے چلنا سیکھ لیتا ہے۔ ماں باپ کو صرف اس بات کا دھیان رکھنا ہوتا ہے کہ وہ اس کو سہارا دیں اور چوٹ لگنے سے بچائیں۔ اس مقالہ کا مصنف کمپیوٹر کو دماغی واکر سمجھتا ہے۔ جب تک بچے فطری طور پر ذہنی غور وفکر کرنے اور مجرد بنیادوں کا ادراک کرنے کے لائق نہ ہو جائیں ان کو کمپیوٹر کا استعمال سکھانا مفید نہیں ہے۔ کمپیوٹر کا زیادہ استعمال ڈسپلن میں کمی کی طرف لے جاتا ہے۔ بچوں کو ابتدائی عمر میں اپنے آپ پر اتنا کنٹرول ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ کمپیوٹر کو ڈسپلن کے ساتھ استعمال کرسکیں۔ یہ چیز ان میں عدم ڈسپلن کے اضافہ کا باعث ہوتی ہے۔ اور عدم ڈسپلن، تعلیم وتعلم کے نصب العین کے قطعاً مخالف عمل ہے۔

اب آیئے انٹرنیٹ کی طرف۔ انٹرنیٹ استعمال کرنے والے پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ اس وقت تک جب تک کہ والدین اپنے کمپیوٹر میں فلٹر سافٹ ویئر نہ لگالیں جو مخصوص قسم کی ویب سائٹس پر روک لگاتے ہیں، یا صرف چند مخصوص ویب سائٹس تک ہی جانے کی اجازت دیتے ہیں۔ لیکن اس صورت میں انٹرنیٹ کا استعمال بہت بورنگ محسوس ہونے لگتا ہے۔ اکثر اوقات تو والدین کسی قسم کی روک لگاتے ہی نہیں۔ آخر ہم اپنے گھروں میں ٹی وی کے استعمال پر روک لگانے میں کس حد تک کامیاب ہیں۔ انٹرنیٹ کے استعمال پر روک لگانا تو اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔

انٹرنیٹ میں بے شمار اس قسم کی معلومات سامنے آتی ہیں، جن کا کوئی تعلق بچے کی حقیقی زندگی سے نہیں ہوتا۔ انٹرنیٹ پر بچہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ یہ چیز بھی تعلیم و تعلم کے اصولوں کے خلاف ہے۔ کیونکہ بچہ ایسے مواد تک پہنچ جاتا ہے جو اس کی عمر اور صلاحیتوں کے لحاظ سے بہت آگے کی چیز ہے۔ بچے ابھی اتنے سمجھدار نہیں ہوتے کہ وہ خود فیصلہ کرسکیں کہ کون سا مواد ان کے لیے مفید ہے اور کون سا نقصان دہ۔ ان کو اس رہنمائی کی مسلسل ضرورت ہوتی ہے کہ کون سی چیز ان کے لیے بہتر ہے اور کون سی چیز نقصان دہ۔ یہ بات بھی درست ہے کہ ان کو آزادی ہونی چاہئے تاکہ ان کی تخلیقی صلاحیتیں مردہ نہ ہوجائیں۔ لیکن یہ آزادی حدود کے اندر ہونی چاہئے نہ کہ مادر پدر آزاد۔

فطری طور پر ایک خاص عمر (عموماً ۱۴ سال) تک بچے اس بات کے متمنی ہوتے ہیں کہ ان کی رہنمائی کی جائے۔ اگر وہ اس رہنمائی سے محروم رہ گئے تو یہ چیز ان کے صحیح ذہنی ارتقاء کے لیے نقصان دہ ہوسکتی ہے۔ وہ خطرناک عادتوں کا شکار ہوسکتے ہیں۔ روایتی طور پر والدین، اساتذہ اور معاشرہ یہ طے کرتے ہیں کہ بچوں کو کیا پڑھایا جانا چاہیے اور انہیں کس طرح کی تعلیم حاصل کرنا چاہئے۔ اس میں بچے کی صلاحیت اس کے ماحول اور معاشرے کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ تب ہی وہ معاشرے کا مفید رکن بنتا ہے۔ انٹرنیٹ استعمال کرنے کی صورت میں یہ سب کچھ واقع نہیں ہوتا۔ انٹرنیٹ کی صورت میں بچوں کے ہاتھ میں ایک ایسا اوزار دے دیا جاتا ہے جو ان کے ماحول سے قطعی مطابقت نہیں رکھتا۔ ان کی عمر اور ذہنی صلاحیت سے مطلقاً میل نہیں کھاتا۔ انسان کے بچوں کا جسمانی، نفسیاتی اور ذہنی ارتقاء ایک ایسا عمل ہے جسے سست رفتاری سے واقع ہونا چاہئے۔ اگر اس کی رفتار مصنوعی طور پر بڑھانے کی کوشش کی گئی تو اس کے نہایت خطرناک اثرات ہوسکتے ہیں بلکہ یقینی طور سے ہوتے ہیں۔ جب تک بچہ ریاضی کے بنیادی قاعدے نہ سمجھ لے اسے الجبراء کے اصول نہیں بتائے جاسکتے۔ اگر اس بات کی کوشش کی گئی کہ بچوں کو بنیادی باتوں کو سمجھے بغیر آگے کے اصولوں کو پڑھنے پر مجبور کیا جائے تو ان میں ایک خطرناک رجحان یہ پیدا ہوجاتا ہے کہ وہ اپنی آئندہ زندگی میں بھی بنیادوں کو سمجھے بغیر عمل کی طرف بڑھتے ہیں۔ ایک ماہر تعلیم (Jane Healy) کا کہنا ہے کہ اکثر اوقات بچے اپنی تعلیمی زندگی میں ناکام اس لیے ہوجاتے ہیں کہ بچپن میں ان کے بڑوں نے ان سے بہت زیادہ توقعات باندھ لی تھیں۔ جب کہ ان بچوں کی دماغی صلاحیتیں ابھی ان توقعات پر پورا اترنے لائق نہیں تھیں۔ کمپیوٹر کا ابتدائی عمر میں استعمال بہت ہی رسمی انداز کے غور وفکر کو بڑھاوا دیتا ہے۔ کی بورڈ کی بٹن دبانے کا ہمیشہ یکساں نتیجہ حاصل ہوگا۔ اسی طرح ماؤس سے جس نشان پر کلک کیا جائے گا ہمیشہ اس سے ایک ہی طرح کا نتیجہ برآمد ہوگا۔ بچے کا ذہن اس کا خوگر ہوجاتا ہے۔ اس سے اس کی تخلیقی صلاحیتیں ٹھٹھر کر رہ جاتی ہیں۔ اس کی آگے سوچنے کی قوت کمزور ہوجاتی ہے۔ چونکہ کمپیوٹر بچے کی ذہنی صلاحیتوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے نقصان دہ اثرات دیرپا بلکہ دائمی ہوسکتے ہیں۔ مصنف کا کہنا ہے کہ ان تمام وجوہ کی بنا پر اور اپنے تجربے کی بنا پر وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہائی اسکول سے قبل بچوں کو کمپیوٹر کا استعمال نہیں کرنا چاہئے۔

آخری نتیجہ

مقالہ نگار کے خیال میں ٹیلی ویژن اور الیکٹرانک گیم کا تعلیم وتعلم میں کوئی مقام نہیں ہے۔ تعلیمی ٹی وی پروگرام بھی اس معاملے میں ناکام ہیں۔ ٹی وی نہ تو تعلیمی میڈیم ہے اور نہ اطلاعاتی۔ وہ سب سے زیادہ ایک کنڈیشننگ (Conditioning) میڈیم ہے یعنی مسحور کرنے والا ذریعہ۔ البتہ مختصر مدت کے ویڈیو ٹیپ دکھانے کے لیے ٹی وی اور فلم کا میڈیا استعمال کیا جاسکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ ٹیچر کی ہدایات بھی اس کے ساتھ دی جائیں۔ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے فوائد بہت زیادہ ہیں اور ان سے کام کی رفتار بڑھ جاتی ہے۔ کیفیت بھی بہتر ہوجاتی ہے۔ وقت کی بھی بچت ہوتی ہے۔ وغیرہ۔ کمپیوٹر کا استعمال جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے ہائی اسکول سے شروع کیا جاسکتا ہے۔ البتہ اس کی ابتداء ہارڈ ویئر کے تعارف سے ہونی چاہئے۔ اس میں کمپیوٹر کے اندرونی اجزا، ڈیجیٹل سرکٹ، کمپیوٹر کے دیگر اجزا کا تعارف وغیرہ شامل کیا جائے۔ اس کے بعد کمپیوٹر کے عمومی سافٹ ویئر کے استعمال کا نمبر آتا ہے۔ اور پروگرامنگ وغیرہ تو گریجویشن کی سطح پر ہی سکھائی جانی چاہیے۔ ●●

''اپنے اوقاتِ زندگی کو غنیمت جانئے''

محمد اسجد قاسمی ندوی

انسان کی زندگی محدود بنائی گئی ہے۔ انسان اپنی محدود ومقدر زندگی گزار کر موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ مگر بدقسمتی یہ ہے کہ اپنی اس محدود زندگی کے روز وشب اور لمحات کی قدر انسان نہیں کرتا، وقت جیسی بیش قیمت چیز کو ضائع کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتا۔ ہر انسان مرور ایام کے ساتھ زندگی سے دور اور قبر سے قریب ہوتا جارہا ہے۔

وقت انسان کا سب سے قریبی ساتھی ہے۔ سائے سے بھی زیادہ قریب رہتا ہے۔ وہی راس المال ہے جس سے نفع ونقصان دونوں وابستہ ہیں۔ اس لئے حکماء کا قول ہے کہ دو چیزیں سب سے زیادہ قیمتی ہیں: (۱) دل (۲) وقت، اگر انسان اپنے دل کو سنوارنے کی فکر چھوڑ دے اور اپنا وقت ضائع کرنے لگے تو یہ اس کی بہت بڑی محرومی اور خسارہ ہے۔

حدیث میں وارد ہوا ہے: ''صحت اور فراغت وقت دو ایسی نعمتیں ہیں جن میں اکثر لوگ دھوکے میں مبتلا اور ناقدری کے مجرم ہیں''۔ (بخاری) آدمی اس وقت فارغ البال ہوتا ہے جب وہ صحتمند ہو، جسے یہ دونوں نعمتیں میسر ہوں اسے ان کی ناقدری نہیں کرنی چاہئے، بلکہ شکر کا حق ادا کرنا چاہئے اور شکر کا حق احکام الٰہیہ کی تعمیل اور منہیات شرعیہ سے اجتناب کی صورت میں ادا ہوتا ہے۔ حدیث کے بموجب انسانوں کی اکثریت تمام نعمتوں کی بالعموم اور ان دو نعمتوں کی بالخصوص ناشکری اور قدر ناشناس ہے۔

حضرت حسن بصری کا ارشاد ہے: ''اے فرزند آدم: تمہارے روز وشب تمہارے مہمان ہیں، ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرو، اگر ان کے ساتھ تمہارا معاملہ اچھا رہے گا تو اس کا نفع تمہیں کو پہنچے گا، ورنہ تم نقصان اٹھائے بغیر نہ رہو گے۔'' امام ابن الجوزی کے مواعظ میں ہے: ''روز وشب اعمال نامے ہیں، انہیں اچھے اعمال سے بھرو، مواقع اور امکانات بادلوں کی طرح تیزی سے گزر جاتے ہیں، سستی اور غفلت بدنصیبوں کا شیوہ ہے، ان کے نتیجے میں خسارہ ہی ظاہر ہوتا ہے''۔ (حل استفدت: احمد محمود/ ۴)

انسانوں کی اکثریت غفلت میں مبتلا رہتی ہے اور اپنی حیات کے بیش قیمت لمحات کو ضائع کرنے میں کوئی تردد نہیں کرتی، جبکہ اسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گزرا ہوا وقت دوبارہ کسی بھی طرح واپس نہیں آسکتا، حضرت حسن بصری کے ملفوظات میں ہے ''دنیا کے دنوں میں سے ہر دن یہ صدا دیتا ہے کہ اے لوگو! میں نیا دن ہوں، میرے اوقات میں جو کام بھی ہوگا میں اس پر گواہ ہوں اور آج کا سورج اگر غروب ہوگیا تو پھر تا قیامت میں تم تک واپس نہیں آؤں گا''۔ (ایضاً) حضرت عبداللہ بن مسعود فرمایا کرتے تھے: مجھے سب سے زیادہ پچھتاوا

باقی صفحہ ۵ پر

TELEGRAM : ADDAWAH NEW DELHI-110025
PHONES: Editor: 26958816, Manager: 26949539, Fax:26958816
E-mail:-dawaturdu@indiatimes.com, dawattrust@yahoo.co.in

DAWAT SEHROZA
NEW DELHI-110025

R.N.I. No.522/57
DL (S) - 05 / 3128 / 2009 - 2011 & DL (S) - 05 / 3266 / 2006-08 (Foreign Post)
POSTAL REGISTRATION No

حماس اُمت مسلمہ کیلئے اُمید کی کرن بن چکی ہے

”حماس امت مسلمہ کے لئے امید کی کرن بن چکی ہے۔ حماس نے ایسے مشکل حالات کا سامنا کیا ہے جو کسی اسلامی تحریک نے نہیں کئے۔ مزاحمت صرف اسلحہ اٹھانے کا نام نہیں بلکہ اسلحہ اٹھانا مزاحمت کا حصہ ہے۔ مغربی کنارے کو ان لوگوں کے ہاتھوں میں نہیں جانے دیں گے جو امریکی و اسرائیلی ڈکٹیشن لیتے ہیں۔ بعض یورپی ممالک نے ذرائع ابلاغ سے دور رہ کر حماس سے رابطے کئے ہیں۔ ہم انتظار کریں گے کہ مسئلہ فلسطین کے متعلق نئی امریکی انتظامیہ کیا رویہ اختیار کرتی ہے۔“ ان خیالات کا اظہار سابق فلسطینی وزیر خارجہ اور حماس (اسلامی تحریک مزاحمت) کے سینئر رہنما ڈاکٹر محمود الزہار نے انٹرویو میں کیا۔ جس کا متن قارئین کے پیش خدمت ہے۔

سوال: ڈاکٹر صاحب، سب سے پہلے تو ہم آپ کو حماس کے ۲۱ویں یوم تاسیس کے موقع پر مبارک باد پیش کرتے ہیں اور اس حوالے سے پوچھنا چاہیں گے کہ آج سے بیس سال قبل حماس کہاں کھڑی تھی اور اب کہاں ہے؟ مختصراً بتائیے گا کہ تحریک نے کون سے مراحل طے کئے ہیں؟

جواب: تحریک کا آغاز مٹھی بھر لوگوں نے کیا تھا جو آج انسانوں کا سمندر بن چکی ہے۔ انتفاضہ اول کے وقت حماس میں شامل افراد کی تعداد صرف ایک ہزار تھی جب کہ آج فلسطین کی ۶۰ فیصد آبادی حماس کی حامی وکارکن ہے۔ شروع میں ذرائع ابلاغ میں حماس کا ذکر تک نہیں آتا تھا لیکن آج اس کے ذکر کے بغیر کسی ٹی وی چینل یا ریڈیو اسٹیشن کا خبرنامہ مکمل نہیں ہوتا۔ حماس کے رہنما غیر معروف تھے۔ آج یہ قیادت عالمی سطح پر جانی پہچانی جاتی ہے۔ حماس کے نظریات سے کوئی واقف نہیں تھا۔ آج اس کی فکر کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ حماس صرف ایک مزاحمتی تحریک تھی لیکن اب وہ امت مسلمہ کے لئے امید کی کرن بن چکی ہے۔

سوال: حماس نے انتخابات میں حصہ لیا اور حکومت بنائی، تحریک کے لئے یہ ایک اہم موڑ ہے لیکن بعض ناقدین کے خیال میں حماس نے انتخابات میں حصہ لے کر خودکشی کی ہے، آپ اس بارے میں کیا کہیں گے؟

جواب: حماس فلسطینی عوام کی حقیقی آواز ہے۔ حماس اب بہت بڑی تحریک میں تبدیل ہو چکی ہے جو پوری فلسطینی اراضی میں پھیل چکی ہے۔ حماس ایک یونیورسٹی ہے۔ ایک اسکول ہے، ایک سوچ ہے اور ایک ادارہ ہے۔ اس کی ترقی فطری ترقی ہے۔ حماس نے کامیابیاں حاصل کیں تو مخالفین کو اس کی کامیابیاں گراں گزریں۔ حماس کی موجودگی میں دوسری جماعتیں سکڑنا شروع ہوئیں تو حماس کے خلاف گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا گیا۔ اس کے کارکنان پر تشدد کیا گیا۔ انہیں گرفتار اور شہید کیا گیا۔ ان تمام حالات کے باوجود حماس نے سوچ سمجھ کر انتخاب میں حصہ لیا۔ معلوم تھا کہ ہمیں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ہم نے عوام کی خدمت کی خاطر اور مسئلہ فلسطین کی حفاظت کے لئے انتخابات کے معرکے میں حصہ لیا۔ انتخابات میں حصہ لینا بہت بڑا چیلنج تھا۔

سوال: حکومت کے تجربے سے آپ نے کیا سیکھا ہے؟

جواب: حماس نے ۱۰۰ فیصد استفادہ کیا۔ ہم حکومتی اداروں اور وزراء گوں میں داخل ہوئے۔ جن کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے تھے۔ اب ہمارے پاس سرکاری افراد ہیں۔ اہم سرکاری مشینری کو چلا رہے ہیں۔ ہمارے پاس اب تجربہ ہے۔

سوال: مزاحمت اور تعمیری کام میں ربط ایک بہت بڑا چیلنج تھا۔ آپ اس چیلنج کا مقابلہ کرنے میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں؟

جواب: ہم نے انتظامی امور بڑے شفاف طریقے سے سرانجام دیئے ہیں۔ ہم مزاحمت اور انتظامی امور کو ساتھ ساتھ لے کر چلنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مزاحمت صرف اسلحہ اٹھانے کا نام نہیں ہے بلکہ اسلحہ اٹھانا مزاحمت کا حصہ ہے۔ تحریک کی سوچ انسانوں کے دماغوں میں گھومتی ہے۔ اب یہ سوچ ٹی وی ہے، ریڈیو ہے، یونیورسٹی ہے اور ادارہ ہے۔ مزاحمت میں بہت تبدیلی آئی ہے۔ پتھر سے شروع ہونے والی مزاحمت میزائل تک پہنچ چکی ہے۔ جنگ بندی کے دوران اسرائیلی خلاف ورزیوں کے جواب میں صہیونی ٹھکانوں پر ۷۷ میزائل اور ۷۰ اراکٹ داغے گئے۔

سوال: بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ حماس کی پالیسیوں میں تبدیلی آچکی ہے۔ وہ اپنے عہد سے پھر چکی ہے آپ اس کا کیا جواب دیں گے؟

جواب: میں یہ پوچھنا چاہوں گا کہ حماس میں کیا تبدیلی واقع ہوئی ہے؟ مزاحمت کی نوعیت میں تبدیلی آئی ہے۔ مزاحمت نے ترقی کی منزلیں طے کی ہیں۔ مثال کے طور پر انسان پہلے جانور پر سوار ہوتا تھا پھر اس نے ترقی کی اور بیل گاڑی پر سوار ہوا۔ پھر اس نے ترقی کی اور ریل گاڑی پر سوار ہوا۔ پھر اس نے ترقی اور جہاز پر سوار ہوا۔ حماس میں تبدیلی نہیں آئی بلکہ اس نے ترقی کی منزلیں طے کی ہیں۔ اگر حماس نے انٹرنیٹ کا استعمال کیا ہے تو یہ تبدیلی نہیں بلکہ ترقی ہے۔

سوال: آپ اوسلو معاہدے کے تحت بننے والی اتھارٹی کا کیوں حصہ بنے؟ آپ حکومت چھوڑ کر صرف مزاحمت پر ہی توجہ کیوں نہیں دیتے؟

جواب: ہمارے بارے میں یہ کہنا کہ ہم کرسی کے طلب گار ہیں یہ ایک دھوکہ ہے جو فلسطینی عوام کو دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ہم نے عوام کی خدمت اور مسئلہ فلسطین کی حفاظت کی خاطر کرسی قبول کی ہے۔ ہم ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر کرتے ہیں اور فلسطینی عوام کی خاطر سرمایہ لاتے ہیں۔ ہم اپنی قوم کے بیٹوں کے لئے سرمایہ لاتے ہیں جس میں فتح کے بیٹے بھی شامل ہیں۔ ہم نے سابقہ حکمرانوں کی طرح اپنی جیبیں نہیں بھرلیں۔ مخالفین چاہتے ہیں کہ ہم ختم ہو جائیں نظر بند کئے جائیں۔ الشیخ احمد یاسین کی زندگی میں انہیں نظر بند کئے رکھا گیا لیکن وہ شہید ہو کر افضل بن گئے۔ عبدالعزیز رنتیسی زندگی بھر قید وبند کی مشقتیں کاٹتے رہے لیکن جب وہ اس دنیا سے چلے گئے تو افضل بن گئے۔ میں یہاں پر قرآن پاک کی آیت کی یاد دہانی کرانا چاہتا ہوں جس میں کہا گیا ہے کہ ”تمہارا بھلا ہوتا ہے تو ان کو برا معلوم ہوتا ہے اور تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو یہ خوش ہوتے ہیں۔“

سوال: حماس کا آپ کیسے تجزیہ کریں گے، کیا وہ اسلامی تحریکوں کے لئے ایک نمونہ ہے جس کے نقش قدم پر چلا جائے؟

جواب: حماس کا تجربہ بڑا کامیاب رہا ہے۔ اس کی دلیل ٹی وی چینلوں پر ہونے والے تجزیے اور اسلامی رہنماؤں کی آراء ہیں۔ سب نے حماس کے تجربے کی تعریف کی ہے۔ حماس نے مشکل حالات میں فلسطینی عوام کی اس طرح قیادت کی جس کی مثال عالم اسلام میں نہیں ملتی۔ حماس نے ایسے مشکل حالات کا سامنا کیا جس کا سامنا کسی اسلامی تحریک نے نہیں کیا ہوگا۔ تمام مشکل حالات اور بڑے بڑے چیلنجز کے باوجود اللہ کے فضل وکرم سے ہم نے بہت کامیابیاں حاصل کی ہیں۔

سوال: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حماس کی مقبولیت میں کمی واقع ہوئی ہے۔ حقیقت حال کیا ہے؟

جواب: جب کوئی اس طرح کی بات کرتا ہے تو مجھے بڑی خوشی محسوس ہوتی ہے اگر انتخابات ہوتے ہیں تو ان لوگوں کی خوش فہمی دور ہو جائے گی۔ حماس دوبارہ پہلے سے کہیں زیادہ اکثریت سے کامیاب ہوگی کیونکہ ہم نے قوم کو کامیاب پروگرام دیا ہے۔

سوال: مصر کی ثالثی میں قاہرہ میں فلسطینی جماعتوں کے درمیان باہمی مذاکرات کی ناکامی کے بعد اب دوبارہ بات چیت کا امکان ہے اور معاملات کس طرف جارہے ہیں؟

جواب: اس کا کچھ جواب نہیں دیا جاسکتا۔ ہمارے خیال میں باہمی بات چیت کا کوئی نعم البدل نہیں ہے لیکن ہم مغربی کنارے کو ان لوگوں کے ہاتھوں میں نہیں کھیلنے دیں گے جو اسرائیلی اور امریکی ڈکٹیشن لیتے ہیں۔ ہم کسی کو اجازت نہیں دیں گے کہ وہ فلسطین کا کوئی حصہ فروخت کرے۔

سوال: حماس کے اسلامی ممالک سے تعلقات کیسے ہیں، یورپی ممالک سے بھی حماس کے رابطوں کی خبریں ہیں؟ یورپی ممالک سے تعلقات کی کیا نوعیت ہے؟

جواب: ہم اُمت مسلمہ کا حصہ ہیں۔ ہمارا یقین ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت حماس کی حامی ہے۔ حماس ایک مقبول تحریک ہے۔ وہ مسلمانوں کے مفاد کی سیاست کرتی ہے۔ جو فلسطینیوں کی حمایت اور مدد کرتا ہے ہم اس کو خوش آمدید کہتے ہیں اور جو مدد نہیں کرنا چاہتا اس کے خلاف کچھ نہیں کہتے۔ رہا سوال یورپی یونین سے تعلقات کی نوعیت کے متعلق تو بعض یورپی ممالک نے ذرائع ابلاغ سے دور رہ کر ہم سے رابطے کئے ہیں۔ ذرائع ابلاغ سے دور رہ کر ان کے رابطہ کرنے کی وجہ امریکہ کا خوف ہے۔ جن یورپی ممالک نے ہم سے رابطے کئے ہیں وہ ہم سے بات چیت کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ہمارا موقف سننا چاہتے ہیں۔ یورپی ممالک سے ہماری ملاقاتیں حماس کے مفاد میں تھیں۔ جن کے مثبت نتائج نکل سکتے ہیں۔

سوال: نومنتخب امریکی صدر باراک اوباما کے متعلق حماس کا کیا موقف ہے؟

جواب: میں اس بارے میں کسی تفصیل میں نہیں پڑنا چاہتا۔ باراک اوباما کے متعلق حماس کا انتہائی محتاط موقف ہے۔ ہم دیکھو اور انتظار کرو کی پالیسی پر عمل کر رہے ہیں۔ آگے دیکھیں کہ نئی امریکی انتظامیہ کا کیا رویہ ہے۔

سوال: سوال کیا جارہا ہے کہ آج کل حماس کے اسلامی جہاد سے تعلقات سرد مہری کا شکار ہیں، اس حوالے سے آپ کیا کہیں گے؟

جواب: آپ کے قول کے برعکس ہمارے اسلامی جہاد سے تعلقات بہت مستحکم ہیں۔ ہمارے درمیان محبت اور احترام کا رشتہ ہے۔ ہمارے تعلقات تمام مزاحمتی گروپوں سے اچھے ہیں۔ حالیہ دنوں میں اسلامی جہاد سے تعلقات میں جتنی گرم جوشی رہی ہے وہ پہلے کبھی نہیں تھی۔

سوال: فلسطینی صدر محمود عباس کی اتھارٹی اور اسرائیل کے درمیان مذاکرات کا انجام کیا ہوگا؟

جواب: مذاکرات فلسطینی صدر کی حکمت عملی ہے۔ مذاکرات کے علاوہ ان کے پاس کوئی کارڈ نہیں بچا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ مذاکرات ہدف کے حصول کا ذریعہ ہونا چاہئے۔ بذات خود مذاکرات ہدف نہیں ہیں۔ ہمارے خیال میں مذاکرات سے اگر ہدف حاصل نہیں ہوتا تو اسے ترک کر دینا چاہئے۔

سوال: مغربی کنارے میں حماس جن حالات سے گزر رہی ہے اس بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

جواب: مقبوضہ مغربی کنارے میں حماس کے لئے حقیقت حال بہت تلخ ہے لیکن یہ صورت حال مثبت ہے کیونکہ لوگوں نے ہتھیار اٹھانے اور نہ اٹھانے کے نتائج کے درمیان موازنہ کرلیا ہے۔ جن لوگوں نے مزاحمت ترک کر دی ہے قابض افواج مغربی کنارے کی گلیوں میں لوگوں کے سامنے انہیں شہید کر رہی ہے۔ اس میں فتح اور شہدائے اقصیٰ بریگیڈ کے لوگ بھی شامل ہیں۔ جن مجاہدین کو غیر مسلح کر دیا گیا ہے وہ یہودی آبادکاروں کے لئے شکار بن گئے ہیں۔ الخلیل میں یہودی آبادکار فلسطینیوں کے گھروں کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا رہے ہیں۔ غیر مسلح کئے جانے کا انجام عوام کے سامنے ہے۔

سوال: ۲۰۰۸ء کا سال حماس کے لئے کیسا رہا ہے؟

جواب: ۲۰۰۸ء حماس کے لئے بہت سخت تھا لیکن جس قدر مشکلات تھیں اسی قدر حماس کے کارکنان میں حوصلے اور عزم واستقلال میں اضافہ ہوا۔ مستقبل کے حوالے سے بات کی جائے تو مستقبل ہمارا ہے۔ مستقبل اسلام کا ہے۔ اسلام صرف حماس کا نام نہیں ہے۔ اسلامی بیداری حقیقی بیداری ہے۔ مسلمانوں کے پاس کرۂ ارض کا ۲۷ فیصد حصہ ہے۔ مسلمان دنیا کا تہائی حصہ ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام ناکام ہو چکا ہے۔ آج تک اسلامی نظام کبھی ناکام نہیں ہوا۔ (جسارت)

بقیہ: کیا عراق آزاد ہو جائے گا؟

کے یہ بیانات عراق میں فوجیوں کے قیام کے معاہدے کے پس منظر میں تھے اور بش نے خاص طور پر ویت نام کی مثالیں دے کر عراق کی حکومت کو یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ معاہدے کا نہ کرنا عراق کے لئے خطرناک ثابت ہوگا۔ امن وامان متاثر ہوگا اور عراق کی حکومت کو عراق کے گروہوں کو کنٹرول کرنا مشکل ہو جائے گا۔ ۲۰۰۷ء کے اواخر میں اس معاہدے کے حوالے سے امریکہ اور عراقی وزیراعظم کے درمیان اختلافات بھی چل رہے تھے جس پر جارج ڈبلیو بش نے نوری المالکی کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا کہ ”مسٹر نوری المالکی ایک اچھے انسان ہیں جنہیں بہت مشکل ذمہ داری سونپی گئی ہے“۔ بش کی یہ تعریف مالکی کی کٹھ پتلی حکومت کی تائید کا واشگاف اعلان ہے کیونکہ عراق کی موجودہ قیادت کو امریکہ کی مکمل تائید وسرپرستی حاصل ہے۔ عراق کی اس حکومت کو اقتدار کی سیڑھیاں چڑھانے سے لے کر عالمی سطح پر تسلیم کروانے والا امریکہ ہی ہے لہٰذا اگر یہ قیادت عراقی مفادات کا خیال نہیں رکھے گی تو کون رکھے گا؟

عراق کی حکومت اگر کسی مرحلے پر عوامی احتجاج اور مظاہروں پر امریکہ کی منشاء کے برعکس چلنے کی کوشش بھی کرتی ہے تو امریکہ اس کے پر کاٹ دیتا ہے اور اسے بے دست وپا کر کے رکھ دیتا ہے۔ یہی کچھ حالیہ فوجی معاہدے میں بھی ہوا، جس میں امریکہ نے عراق کو زبردستی دستخط کرنے یعنی امریکی معاہدے کو تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس معاہدے کے دو فریق ہیں امریکہ اور عراق مگر اس کی ساری شقوں کو ترتیب دینے والا صرف ایک فریق امریکہ ہے۔ امریکہ عراقی قیادت کے مسٹر مالکی کو دوست رہنما قرار دیتا ہے کیونکہ وہ ہر موقعے پر امریکہ کے موقف پر سر جھکا کر حق دوستی ادا کرتے ہیں۔

اس سیکورٹی معاہدے پر دستخط کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے جارج ڈبلیو بش نے کہا کہ عراق جنگ مشکل مگر ضروری ہے۔ یہ کام آسان نہیں تھا لیکن امریکہ کی سلامتی اور عراقی لوگوں کی امید اور امن کے لئے ناگزیر تھا۔ انہوں نے کہا کہ وہ اس بات پر شکر گزار ہیں کہ اپنی مدت صدارت ختم ہونے سے قبل انہیں عراق کا ایک اور دورہ کرنے کا موقع ملا۔ ۲۰۰۳ء میں عراق پر امریکی حملے کے بعد امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کا یہ عراق کا چوتھا دورہ تھا۔ عراقی پارلیمنٹ سے سیکورٹی معاہدے کی منظوری کے بعد عراق بھر میں زبردست مظاہرے کئے گئے تھے جو کہ صدر جارج ڈبلیو بش کے ساتھ نفرت کا اظہار ہی تھا مگر صدر بش نے اس تقریب میں ڈھٹائی سے احتجاجی مظاہروں کی نفرت کو منافقانہ الفاظ میں بدل دیا۔ انہوں نے اپنے خطاب میں عراقی عوام کو عظیم دوست قرار دیا جس نے ان کے ملک کو آزادی دلانے میں مدد کی۔ صدر جارج ڈبلیو بش کے یہ الفاظ ان کے دوغلے پن اور دورخے رویہ کے مظہر ہیں کیونکہ کیا دوستوں کا کردار ایسا ہوتا ہے جو امریکہ نے عراق میں کیا۔ امریکہ نے عراق کے عوام کو آزادی دی یا امریکہ کے لئے ظلم کے پروانے کے حصول کا اجازت نامہ جاری کروایا۔ عراقی وسائل ہتھیانے اور عراقی دولت کو لوٹنے کے لئے جارج ڈبلیو بش نے جو کھیل کھیلا اس میں بے گناہ عراقیوں کا انتہائی بے دردی سے خون بہایا گیا۔ عراق کو خانہ جنگی کی طرف دھکیل دیا گیا۔ تباہی وغارت گری، لوٹ مار کونسا ایسا طوفان ہے جو امریکہ نے عراق میں برپا نہیں کیا۔ یہ عراق کے ساتھ دوستی نہیں دشمنی ہے۔ جس نے عراق کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ جارج ڈبلیو بش کو پڑنے والا جوتا نفرت، حقارت اور غم وغصہ کا اظہار تھا جسے وہ صحافی دل میں دبائے بیٹھا تھا اور موقع ملتے پر اس نے جارج ڈبلیو بش کو جوتا مار کر اس اہانت کا بدلہ لینے کی کوشش کی جو امریکہ عراق کے عوام یا مسلمانوں کی کر رہا ہے۔

امریکی فوجیوں کے انخلاء کے معاہدے کو حتمی منظوری مل گئی۔ اب باراک اوباما عراق کے متعلق کیا پالیسی اختیار کرتے ہیں اور آیا اس معاہدے کے مطابق ۲۰۱۱ء تک امریکہ اپنی فوجیوں کو واقعی نکالتا ہے یا پھر وہاں ٹھہرنے کے مزید جواز تلاش کرتا ہے اور اس ضمن میں سابقہ روش اپناتے ہوئے وہ امریکی اداروں سے خود ساختہ رپورٹیں بھی تیار کروا سکتا ہے۔ امریکہ کی عراق پالیسیوں کا رخ کسی طرف بھی ہو، وہ عراق کی بہتری کی بجائے بربادی کی طرف ہی ہوگا اور جارج ڈبلیو بش کو جوتے پڑنے کے واقعے کی ریت مستقل رواج کی شکل بھی اختیار کر سکتی ہے۔ اگر امریکہ نے آزاد قوموں کو محکوم بنانے، ان کے وسائل کو ہتھیانے اور ان پر قبضہ جمائے رکھنے کی روش نہ چھوڑی۔ منتظر الزیدی نے اپنے ایک بیان میں جارج ڈبلیو بش کو تمام یتیم بچوں اور بیواؤں کے حالات کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ دوسرے جوتے میں منتظر الزیدی کے فقرات بھی یہی تھے۔ ”یہ عراقی بیواؤں، یتیموں اور عراق کے تمام ہلاک شدگان کی طرف سے ہے“۔

عراق میں تعمیر نو کے حوالے سے بتایا جارہا ہے کہ تعمیر نو کے کاموں پر ایک سو ارب ڈالر یا ساٹھ ارب پونڈ خرچ کئے جا چکے ہیں، لیکن اس سے اس نقصان کا کچھ ازالہ نہ ہو سکا ہے جو کہ عراق کی جنگ کے دوران تباہی اور اس کے بعد لوٹ مار سے ہوا۔ جارج ڈبلیو بش کا یہ دورہ انتہائی کڑی نگرانی میں کیا گیا۔ عراق پہنچتے ہی امریکی صدر کے دورے کا پہلا پڑاؤ بغداد کے گرین زون میں واقع صدارتی محل میں ہوا جہاں انہوں نے جلال طالبانی سے ملاقات کی، جلال طالبانی سے ملاقات کے دوران بش نے کہا: ”کام آسان نہ تھا لیکن امریکی سیکورٹی، عراقی امیدوں اور عالمی امن کے لئے ناگزیر تھا“۔ امریکہ عراق کے عوام کی حفاظت کے نام پر ان کے سر پر زبردستی اپنی فوج بٹھا رہا ہے۔ ایسی سیکورٹی جسے کہ عراقی عوام حاصل کرنے کے خواہاں نہیں۔ مگر امریکہ عراقی عوام کو زبردستی سیکورٹی مہیا کرنے پر مصر ہے۔ زبردستی کی یہ حفاظت دراصل زبردستی کی دھونس ہے جسے کہ حفاظت کا نام دے کر لوٹ مار کے لئے تحریری شکل دی گئی ہے تاکہ اس پر اعتراض کا کوئی جواز نہ رہے مگر عراقی حکومت کا تحریری اقرار عراقی عوام کو اس اعتراض سے کیسے روک سکتا ہے جو ان کے دلوں میں سانپ بن کر پل رہا ہے۔ صدر بش کی جنگی روش کی وجہ سے امریکہ میں جنگ مخالف تنظیموں نے بھی عراقی صحافی سے اظہار یکجہتی کے لئے وہائٹ ہاؤس کے سامنے مظاہرہ کرنے کا اعلان کیا ہے۔ ”آفٹر ڈاؤننگ اسٹریٹ“ ویمن فار پیس پنک کوڈ نے بش انتظامیہ کی طرف سے عراق میں غیر قانونی مداخلت، عراق میں مارے جانے والے امریکی اور عراقی فوجیوں کی طرف سے احتجاجاً جوتوں کی بوریاں لے کر وہائٹ ہاؤس کے سامنے مظاہرے کا اعلان کیا اور اسے جوتے برائے بش ریلی کا نام دیا۔

عراقی صحافی کو بش کی بے عزتی کرنے پر سزا سنائے جانے سے قبل بش کو پندرہ لاکھ عراقیوں، چار ہزار دوسو امریکی فوجیوں کی ہلاکتوں اور لاکھوں عراقیوں کی ملک بدری کا مجرم ہونے پر سزا دی جانی چاہئے۔

●●

دعوت
پرنٹر، پبلشر خلیل احمد نے دعوت ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی جانب سے ایرانین آرٹ پرنٹرز قاسم جان اسٹریٹ بلیماران دہلی ۱۱۰۰۰۶ میں برائے دعوت آفسیٹ پرنٹرز چھپوا کر دفتر ”دعوت“ ڈی ۳۰۴، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔
ایڈیٹر: پرواز رحمانی
اسسٹنٹ ایڈیٹر: شفیق الرحمٰن
سب ایڈیٹرز: محمد صبغۃ اللہ ندوی، عقیدت اللہ قاسمی
عمیر کوثی ندوی، اشرف علی بستوی

ضرورت رشتہ
اترپردیش کے سنی پٹھان خاندان سے تعلق رکھنے والی ۲۶ سالہ، اعلیٰ تعلیم یافتہ (M.Sc)، NET کوالیفائڈ، خوبصورت، درمیانہ قد، (163cm) کے لئے اعلیٰ مذہبی خاندان سے تعلق رکھنے والے تعلیم یافتہ برسرروزگار لڑکے سے رشتہ مطلوب ہے۔
Md. IKram Sb. Lucknow
Mob. 09335044372
E-mail: farazjavedalvi@yahoo.co.in

ضرورت رشتہ
اترپردیش کے ایک معزز سید خاندان سے تعلق رکھنے والے ۲۹ سالہ، خوبرو طویل القامت، (پانچ فٹ دس انچ) تعلیم یافتہ (M.Com) نوجوان کے لئے تحریکی سید گھرانے کی تعلیم یافتہ لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ مذکورہ نوجوان یوپی کے ایک بڑے شہر میں انگریزی میڈیم کا اسکول چلاتا ہے جس کا شہر میں اعتبار قائم ہے۔
Mr. Shakeel Javed
Mob. 09415410255
E-mail: farazjavedalvi@yahoo.co.in

ضرورت رشتہ
منصوری برادری سے تعلق رکھنے والے معزز گھرانے کی ڈبل .M.A (فی الحال .B.Ed میں داخل) عمر ۲۹ سال قد پانچ فٹ، دو انچ، رنگ گیہواں (جن کے والد ٹیچر، بھائی اور بھابھی ڈاکٹر اور بہنوئی .P.C.S ہیں) کے لئے مناسب اور برسرروزگار رشتہ درکار ہے۔
رابطہ فرمائیں
Mob. 09918213783

AL-HIRA PUBLIC SCHOOL & HOSTEL
MUHAMMADPUR, SHAHGANJ, PATNA-800006
★ C.B.S.E. Curriculum ★ English Medium
★ Computer & Library Facilities ★ Quality Education
★ Class Monitoring with CCTV ★ Co-Curricular Activities
★ Separate Hostel for Boys & Girls ★ Regular Weekly Tests
Website: alhiraschool.com, E-mail : alhirashahpat@sify.com
Ph.: 0612-2685287, 09431087443
Registration Going on for Session 2009
Admission Test on 15th Feb 2009

مئو کا بنا تیز اثر دار افضلس نورانی تیل
لیبل وکیپ پر AFZALS
اور MAU CITY دیکھ کر خریدیں
بدن کے ہر قسم کے درد، زخم، چوٹ، ورم، سردی کے امراض نیز بچوں کی بہت سی بیماریوں مثلاً حلقہ، خناق، کھانسی، نزلہ، زکام وغیرہ میں مجرب ومفید ہے
INDIAN CHEMICAL CO. NEW CHEMICAL CO.
Mau Nath Bhanjan-Mau-275101 (U.P.)

حکومت سے منظور شدہ ایکسپورٹ ہاؤس
سپر ٹینری لمیٹڈ
SUPER TANNERY LIMITED
(A Government Recognised Export House)
187/170, JAJMAU ROAD, KANPUR-208010 (INDIA)
Tel:+91-512-2460137, 2465362, 2462138, 2461079
Fax:+91-512-2460792, 2462227,
Email:supertannery@satyam.net.in
Website:www.supertannery.org

”اے اللہ میں آپ سے اس علم کی پناہ مانگتا ہوں جو نفع بخش نہ ہو۔“ (مسلم)
OMEGA SUPER HARDWARE
Complete range of Latest fittings for Doors & Windows, Bath Rooms and Furnitures, Glass Furnitures
AD 5/2, 2nd AVENUE, ANNA NAGAR, CHENNAI- 40.
Phones: 2620 2016, 4269 0216

Online Unani Herbal Consultation
044-28481344 E-mail:drameen@vsnl.net
for Sinusitis ★ Joints Pain ★ infertility
★ nervous ★ debility ★ Obesity
★ beauty & Hair Care
in public interest by Dr. Syed M.M. Ameen
B.U.M.S. (OSM)., M.D. (Herbal Med).,
Ph.D. (MED)., M.N.S.A. (IND)
S.K's Herbal Medical Hospital & Research Centre
36, J.J.K. Road, Royapettah, Chennai-600014 INDIA

نامور مورخ تذکرہ نویس طالب ہاشمی کے محققانہ قلم سے
رسول کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی گیارہ (۱۱) ازواج مطہرات اور دوسو پانچ (۲۰۵) قدسی صفات صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنھن کے ایمان بخش واقعات اور یقین افروز حالات۔
پوری کتاب تاریخی حقائق اور مستند ومعتبر حوالوں سے مزین۔
خواتین کی مجلسوں میں پڑھ کر سنانے اور ان کے اندر جذبۂ ایمانی پیدا کرنے کے لیے ایک اہم، معتبر اور دستاویزی کتاب۔
لڑکیوں کی شادیوں کے مواقع پر انھیں ہدیے کے طور پر پیش کرنے کے لیے ایک قیمتی تحفہ۔
سائز: ۲۳×۳۶/۱۶ ● صفحات: ۴۵۶ ● قیمت: Rs.160/- (مجلد)
مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی۔ ۲۵
Post Box. 9752, Jamia Nagar, New Delhi-110 025
Phones:26971652, 26954341, Fax:26947858
E-mail: mmipublishers@gmail.com Website: www.mmipublishers.net